مجھ میں
جو
مَیں
ہے
اُس
"مَیں"
کی
"تُو"
کے نام

پرویز

اس مجموعے میں شامل تمام ڈراموں
کے کردار، نام واقعات اور مقامات
کچھ فرضی اور کچھ اصلی ہیں، جن سے کسی
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے، جن کے
لئے مصنف اور ناشر کسی طرح بھی
ذمہ دار نہیں۔

مقاماتِ آہ و فغاں (باتحریر)

وہ، مَیں اور بھیگی بلّی

(پیش لفظیہ)

کردار

وہ ۔ (آپ میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے)

مَیں ۔ (یعنی کہ صرف مَیں)

بھیگی بلّی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

مقام ۔ پریشان حال اُردو زبان کے مفلوک الحال ادیب کا جھونپڑا یا کسی گندے سے ہوٹل کا نیم تاریک گوشہ۔

وقت ۔ بہت ہی ناسازگار، (مَیں، وہ اور آپ تینوں کے لئے)

وہ : زیرِ نظر مجموعہ غالباً جناب کا تیسرا مجموعہ ہے؟

مَیں : جی ہاں۔

وہ : اس کا یہ مطلب ہوا کہ جناب کافی "باہمت" اور "جی دار" قسم کے ادیب ہیں۔

مَیں : جہاں تک 'جی داری' کا تعلق ہے، آج اُردو کا ہر سچا اور بے باک قلم کار "جی دار" ہے کہ 'دار' پر 'جی' رہا ہے۔ البتہ جہاں تک میری بات ہے، میری ہمت اور جی داری میں اگر پڑھنے والوں کا خلوص شامل نہ ہوتا تو مَیں شاید 'باربردار'، 'چھاتہ بردار'، 'برخوردار' قسم کا ادیب ہوتا 'جی دار ادیب' ہرگز نہ ہوتا۔

وہ : جناب کی باتوں سے 'مکھن' کی بُو آ رہی ہے۔

مَیں : معلوم ہوتا ہے، جناب کی 'قوتِ شامہ' جس قدر زور دار ہے، قوتِ فیصلہ اتنی ہی کمزور، ابھی لمحہ بھر پہلے جناب نے جسے 'جی دار' ادیب کے خطاب سے نوازا، وہی جی دار ادیب اب آپ کی نظر میں 'گھی دار' ہو گیا۔

وہ : لفظوں کے اُلٹ پھیر کے سہارے پہلو بچانے کی کوشش مت کیجئے۔ کیا جناب اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابھی لمحہ بھر پہلے پڑھنے والوں کے خلوص کا ذکر کر کے آپ نے انھیں مسکہ لگانے کی کوشش نہیں کی؟

مَیں : جہاں تک پڑھنے والوں کا تعلق ہے، آج انھیں مسکہ لگائے بغیر بے چارے قلم کار کے تخلیقی افکار، چاہے کتنے ہی شاہکار کیوں نہ ہوں، گمنامی کے اندھیرے سے باہر نہیں نکل نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب سے تھوڑی بہت شُدھ بُدھ رکھنے والے اصحاب جو کل تک قاری اور سامعین کے زُمرے میں گِنے جاتے تھے، آج فن کاروں کی نظر میں 'مائی باپ' سے کم نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اُردو کے حق میں یہ 'مائی باپ' اکثر 'سوتیلے' رویئے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وہ : اپنے قارئین کے تعلق سے آپ کی یہ دُہری پالیسی سمجھ میں نہیں آئی!

مَیں : ہندوستان میں اُردو کی آخری نسل کا ایک ادیب ہونے کے ناطے اسے میرے دل کا غُبار سمجھ لیجئے۔ تاہم اس تلخ شکایت کے باوجود میں اپنے پڑھنے والوں کا ممنون بھی ہوں کہ

اگر وہ میرے پچھلے دو مجموعوں کی پذیرائی نہ کرتے تو میں تیسری بار منت پذیرِ شانہ ہونے کی جرأت ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔

وہ : پچھلے مجموعوں اور تازہ مجموعہ میں کوئی امتیازی فرق ؟

مَیں : پچھلے مجموعے اِنشائیوں پر مشتمل تھے اور یہ مجموعہ طنزیہ و مزاحیہ ڈراموں پر مشتمل ہے حتیٰ کہ ہماری یہ بیش لفظیہ گفتگو بھی ڈرامائی شکل میں اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔

وہ : بہت خوب ! زیرِ بحث مجموعہ چونکہ ڈراموں پر مشتمل ہے، اس لئے اب میں اسی موضوع کو چھیڑتا ہوں۔

مَیں : شوق سے چھیڑئیے، اِس معاملے میں بندہ وہاں پہنچ چکا ہے، جہاں پہنچنے کے بعد ہر فن کار پر چچا غالب کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

درد سے پُر ہوں میں یوں، راگ سے جیسے باجا
اِک ذرا چھیڑئیے، پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

وہ : آپ نے بھی اکثر پڑھے لکھے ناقدانہ شعور رکھنے والے اُردو داں حضرات کو یہ کہتے سُنا ہوگا کہ اُردو ادب میں ڈرامہ اپنی کم مائیگی کے باعث دیگر مُلکی و غیر مُلکی زبانوں کے آگے "بھیگی بلّی" کی طرح سُکڑا سہما سا نظر آتا ہے۔

مَیں : یہی تو وہ جملہ معترضہ ہے جس کے جواب میں مَیں نے 'کمر' اور 'قلم' دونوں کس کر — اُردو ڈرامہ کی اس 'بھیگی بلّی' کو گرمانے کی کوشش شروع کر دی۔

وہ : اس 'کمر کس' اور 'قلم کس' گرما گرم کوشش کا نتیجہ ؟

مَیں : "تُو تُو مَیں مَیں" کی شکل میں بہت جلد آپ کے اور پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔ [اِس وقت یہی 'بھیگی بلّی' آپ کے ہاتھوں میں ہے، چاہے اسے پیار سے پُچکاریئے یا نفرت سے دُھتکاریئے، آپ کی مرضی۔]

وہ : جیسا کہ ابھی جناب نے فرمایا کہ ڈرامہ کی اسی "بھیگی بلّی" کو آپ نے گرمانے کی کوشش کی، کہیں اس کوشش میں جناب نے اس غریب کو نچوڑ تو نہیں دیا۔

مَیں : ہو سکتا ہے، یہ کہیں کہیں سے تھوڑی بہت "نچڑ" گئی ہو تاہم اتنا یقین ہے کہ میرے ہاتھوں اس کا کم از کم ویسا حشر نہ ہُوا ہوگا جیسا کہ ایک دیہاتی کے ہاتھوں ہُوا تھا۔ جسے بلّی کو نہلاتے دیکھ کر ایک پڑوسی نے ازراہِ ہمدردی ٹوکا تھا، موسم بے حد ٹھنڈا ہے، بلّی کو زیادہ مت نہلایئے، بے چاری کو سردی ہو جائے گی۔ بلّی کے مالک نے اس کے مشورے کو ایک کان سے سُن کر دوسرے سے اُڑا دیا۔ بے چارہ پڑوسی اپنا سا مُنہ لیکر چلا گیا اور جب کافی دیر بعد لوٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ بلّی کا مالک نل کے پاس سَر تھامے بیٹھا ہے اور قریب ہی بلّی بے چاری مَری پڑی ہے۔ پڑوسی نے گھبرا کر پوچھا، کیا ہُوا بلّی کو ؟ بلّی کا مالک بولا، تمہاری نظر لگ گئی۔ تم بدفالی مُنہ سے نکال کر چلے گئے

ادھر بلّی سردی سے کانپنے لگی، مَیں نے سوچا، بے چاری زیادہ بھیگ گئی ہے، لاؤ تھوڑا سا نچوڑ ڈالوں، پس اس کے بعد جو بھی ہوا، تمہارے سامنے ہے۔

وہ : کیا اس موقع پر یہ گھِسا پِٹا بلکہ نچوڑا ہوا لطیفہ سُنانا ضروری تھا؟

مَیں : جناب! شاید قانونی داؤ پیچ سے واقف نہیں، اپنے مقدمے کو مضبوط کرنے کے لئے لوگ جھُوٹ کا سہارا لیتے ہیں، میں نے تو صرف گھِسے پِٹے لطیفے کا سہارا لیا ہے، وہ بھی محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اُردو ڈرامے کی یہ 'بلّی بھیگی' ضرور ہو سکتی ہے لیکن بے جان نہیں، یہ اور بات ہے کہ ابھی یہ بلّی اپنے سنِ بُلوغ کو نہیں پہونچی، دراصل خود اُردو والے، اسے جوان ہونے نہیں دیتے۔ ادب کی یہ صِنف ابتدا ہی سے غفلت کا شکار رہی ہے۔ ڈرامہ اصل میں پڑھنے اور سُننے سے زیادہ دیکھنے کی چیز ہے اور اُردو والوں کو اسٹیج سے کم دلچسپی رہی ہے، اُردو میں چند اچھے ڈرامے جو مِلتے ہیں وہ ریڈیو کیلئے لکھے گئے ہیں، خود مَیں نے بھی زیادہ تر ڈرامے ریڈیو کے لئے لکھے ہیں، لیکن جب انھیں کتابی صُورت میں یکجا کرنے کا موقع مِلا تو مَیں نے ان پر نظرِ ثانی کرکے اس قابل بنانے کی کوشش کی کہ تھوڑے سے رَدّو بدل کے ساتھ انھیں آسانی سے اسٹیج بھی کیا جا سکے۔

وہ : بہت خوب! جناب اپنے مقدمے کی پَیروی کرنا بھی خوب جانتے ہیں!

مَیں : یہ گُر دراصل اُردو زبان کی دین ہے جو آج برسوں سے اپنے ساتھ ہو رہی ناانصافیوں کے خلاف خود مقدمہ لڑ رہی ہے اور یہ کہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ اپنی شیرینی، لطافت اور وسعت کے سہارے خود ہی اپنے مقدمہ کی پَیروی بھی کر رہی ہے۔

وہ : موضوع نے ذرا سنجیدہ موڑ اختیار کر لیا ہے، اس لئے دوبارہ اسے ڈرامہ کی طرف لے آتے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، اِس بھیگی بلّی کے گلے میں لفظوں کی گھنٹی آپ ہی نے باندھی ہے، اسے کاغذی پَیرہن کا 'پَٹّہ' بھی کیا آپ ہی نے پہنایا ہے؟

مَیں : یہ 'بارِگراں' مجھ ناتواں سے اکیلے کس طرح اُٹھتا، اِسے اُٹھانے میں میرا ساتھ دیا ہے زندہ دلانِ حیدرآباد نے، اور اس میں آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی کا جُزوی مالی تعاون بھی شامل ہے۔

وہ : اکثر دیکھا گیا ہے کہ اُردو کی تقریباً ہر ادَبی، نیم ادبی کتاب میں بے چارہ مصنّف، پبلشر سے لے کر پریس کے چپراسی تک کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرضِ اوّلین تصور کرتا ہے اس مجموعے میں یقیناً آپ شکریہ کی لمبی چوڑی فہرست دیں گے۔

مَیں : جہاں تک شکریہ کے مستحق مہربانوں و نامہربانوں کی فہرست کا تعلق ہے، اس سے کسی ادیب یا شاعر کو مفر نہیں، مَیں اپنے پچھلے مجموعوں میں اس "حق" کو کما حقّہٗ ادا کر چکا ہوں البتہ اس مرتبہ جو فہرست دے رہا ہوں، وہ اُن احباب پر مشتمل ہے جن کے تعاون کے سِلسلہ میں مجھے 'شکریہ' کے گھِسے پِٹے لفظ کو استعمال نہیں کرنا پڑا۔

وہ : وہ کیوں ؟

مَیں : اس لئے کہ اِن احباب کو مجھ سے ہر قسم کا تعاون کرنے کی ’لت‘ پڑ چکی ہے۔

وہ : مجھے ان اصحاب سے دِلی ہمدردی ہے، ذرا ان کے نام تو گِنوائیے۔

مَیں : سُنئیے، حروفِ تہجی کے اعتبار سے تاکہ انھیں آپس میں ایک دوسرے سے شکایت نہ ہو، انجم نجمی، دَور سیفی، رشید عبدالسمیع جلیل، سید نصرت آرکیٹکٹ، سعادت علیخاں، سلام خوشنویس، مصطفےٰ کمال اور محمد غالب

وہ : آخر میں اپنے قارئین سے کچھ نہ کچھ کہنا چاہیں گے آپ ؟

مَیں : کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن صرف اسی پر اکتفا کروں گا کہ اُردو ڈرامے کی اس بھیگی بلی کو طنز و مزاح کے کمبل میں لپیٹ کر اسے گرمانے کے لئے اپنا سا زور لگا دیا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ ذوق اس کے دَم خم کو آزمانا چاہے تو اسے مزید ”نچوڑ“ کر دیکھ سکتا ہے...

وہ : دیکھئے، بات پھر اسی لطیفہ کی طرف جا رہی ہے...

مَیں : ایسا ہے تو پھر کیوں نہ ہم اور آپ اپنا اپنا راستہ لیں ؟

وہ : نیکی اور پُوچھ پُوچھ !

وہ اور مَیں } (ایک ساتھ) خدا حافظ...

بہ قلم و بہ زبانِ خود

پرویز یداللہ

۵؍جولائی ۷۶ء

(پرویز یداللہ مہدی)

- ۵۲۸-۳-۱۶ چنچل گوڑہ، حیدر آباد ۲۴
- ۲۱۹- بہرام نگر، باندرہ۔ بمبئی ۵۱

ہوتا ہے شب و روز تماشا ـــ

ڈاکٹر بیدل کا دِل

کردار

سکریٹری، مِس روزی ہارڈاسٹون، شریمتی تارامتی
شری نورنگی لال، مِس نازک لوکھنڈوالا، بے خبر
چپراسی، رہپتی اور دیگر آوازیں

مقام

شہر کی کوئی بھی مصروف ترین فُٹ پاتھ

وقت

بھیڑ بھاڑ والی شام

مجمع باز: دل بدلوالو، پرانے کی جگہ نیا لگوالو۔ شہر کے ہر خاص و عام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ دیش کے مانے ہوئے ہارٹ اسپیشلسٹ Heart Specialist یعنی ماہر امراض قلب ڈاکٹر بے دل، دل سکھ نگری جو دس سال تک امریکہ کے سب سے بڑے دل ادلا بدلی دواخانے یعنی Heart transplantation Hospital میں دل بدلتے رہے ہیں اور ابھی پچھلے ہی دنوں اہل دلی کے دلوں میں ردوبدل کر کے دلوں کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا چکے ہیں، خوش قسمتی سے آپ کے شہر میں آئے ہوئے ہیں۔ صاحبان! اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھائیے۔ ڈاکٹر موصوف مناسب اجرت پر نہایت چابک دستی سے آپ کی پسند کے مطابق دل بدلتے ہیں۔ یاد رکھیے ڈاکٹر صاحب کا قیام آپ کے شہر میں صرف چند دنوں کے لیے ہے اس لیے مایوسی سے بچیے۔ اور جلد از جلد ڈاکٹر بے دل کے دل ادلا بدلی کادیہ، واقع دل ربا مینشن، دل دار گلی، دل سکھ نگر تشریف لائیے اور اپنے اپنے دلوں کے جھگڑے مٹائیے۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

ایک آواز: اماں! استغفاللہ یہ ڈاکٹر بے دل صاحب وہی تو نہیں جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے ایک انسان کے ناکارہ دل کی جگہ کسی بندر کا دل ڈال دیا تھا اور پھر دل بدلتے ہی وہ آدمی خوخر کرتا ہوا اس درخت سے اس درخت اور اس ڈال سے اس ڈال چھلانگیں مارتا ہوا کسی بندر ہی کی طرح جنگلوں کی طرف نکل گیا تھا۔

پہلی آواز: جی ہاں! قبلہ ان ہی ڈاکٹر بے دل صاحب کی مہربانی سے وہ شخص آج ٹارزن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک آواز: تو پھر ہمیں نہیں بدلوانا ہے میاں دِل وِل۔ اگر کہیں ہمارے دل کی جگہ ڈاکٹر صاحب نے کسی کتے یا بلی کا دل ڈال دیا تو پھر ساری زندگی میاؤں میاؤں کرتے یا بھو نکتے ہی گذر جائے گی۔

پہلی آواز: (ہنستے ہوئے) معاف کیجیے گا حضرت قبلہ! آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ یہ نہ بھولیے کہ یہ اکیسویں صدی ہے اکیسویں۔ کل تک ایک انسان کے لیے کسی انسان کا دل ملنا مشکل تھا مگر اب زمانہ ترقی کر چکا ہے۔ بھلے ہی جیتے جی کسی کا دل کسی سے نہ ملتا ہو مگر مرنے کے بعد آپ چاہیں تو کسی دشمن کا دل کسی اور دشمن کے سینے میں ڈال سکتے ہیں۔

ایک آواز: اچھا!!!——

پہلی آواز: جی ہاں، اسی لیے تو کہتا ہوں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیے۔ اگر آپ اپنے دل کے ہاتھوں پریشان ہیں تو فوراً سے بیشتر اور پیشتر سے فوراً ڈاکٹر موصوف سے ملیے۔ اگر دل مردہ ہو چکا ہے، توانائی کھو چکا ہے یا بوڑھا ہو چکا ہے،............ تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے اس مردہ و ناتوان دل کی جگہ ڈاکٹر موصوف نہایت چابک دستی سے ایک چاق و چوبند یعنی 'Active' دل ڈال دیں گے۔ دیر نہ کیجیے، فوراً ڈاکٹر بے دل سے ملیے۔

مقام: ڈاکٹر بے دل کی دِل ادلا بدلی ڈسپنسری

(کچھ لوگ ڈاکٹر بے دل کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں کہ ان کا سکریٹری داخل ہوتا ہے)

کچھ آوازیں: ڈاکٹر صاحب آگئے، ڈاکٹر صاحب آگئے۔

سکریٹری: خواتین و حضرات، پلیز، پلیز دھیرج رکھیے پہلے میری بات سنیے۔ میں

ڈاکٹر نہیں ہوں بلکہ ڈاکٹر بے دل کا سکریٹری ہوں۔ آپ لوگ اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھئے۔ ڈاکٹر صاحب اب آتے ہی ہوں گے تب تک آپ یہ فارم فِل اپ کیجئے۔ چپراسی یہ فارمس لو اور ان سب میں تقسیم کر دو اور دیکھو! فارم بھر بھر کر ایک ایک مریض کو نمبر وار چھوڑنا۔ میں اپنے کمرے میں چلتا ہوں۔

چپراسی: جو حکم صاحب جی۔

(سکریٹری کمرے میں داخل ہوتا ہے جو ملاقاتی والے کمرے سے کافی چھوٹا ہے مگر خاص فرنیچر وغیرہ سے سجا ہوا ہے)

{کچھ لمحوں بعد مسکراتی ہوئی مس روزی ہارڈ اسٹون داخل ہوتی ہے}

مس روزی: کیا ہم اندر آنے کو سکتا ہے؟

سکریٹری: ایک دم آنے کو سکتا، ہم کبھی سے تمہاری راہ تکتا۔

مس روزی: oh you naughty یہ لو ہمارا فارم۔ ہم نے ذرا Hurry میں Fill up کیا ہے Please check it برابر ہے کہ نہیں۔

سکریٹری: لائیے ادھر لائیے اور آپ اس صوفے پر تشریف رکھیے Mother

مس روزی: (جھلا کر) 'what'

سکریٹری: (گھبرا کر) کیوں، کیا کچھ غلطی ہو گیا Mother

مس روزی: پھر Mother بولا کیا ہم اتنا old ہے کہ تمکو مدر لگتا۔

سکریٹری: Oh I am sorry mother.. نہیں نہیں مدر نہیں بلکہ میڈم I am very sorry Madam ہمارا زبان ذرا پھسل گیا۔ چہرے کا ہے نا مدر... میرا مطلب ہے میڈم ہم یہ بھول گیا تھا کہ یہ "21st Century" ہے اس زمانے میں سگا ماں بھی اپنے بیٹے کو اپنا چھوٹا بھائی بول کر Introduce کراتا۔ خیر! میڈم آپ کا نام۔

مس روزی: مس روزی ہارڈ اسٹون "Miss Rosy Hardstone"

سکریٹری: (گڑبڑاکر) مس! یعنی کہ آپ ابھی تک مس ہی ہیں۔ مرا میرا مطلب ہے میڈم۔

مس روزی: yes youngman ہی تو serious problem ہے جس کا واسطے ہم تمہارے ڈاکٹر بیدل کا پاس آیا۔

سکریٹری: بہت اچھا کیا میڈم آپ نے اب آپ کا Serious Problem ڈاکٹر چٹکی بجاتے حل کر دیں گے (فارم دیکھتے ہوئے)

میڈم آپ نے اس کالم میں اپنی age نہیں لکھی؟

مس روزی: بات یہ ہے young man کہ ہم اپنا age کے بارے confidential ہے۔ ادھر ہم تم سے Doubtful ذرا بات کر سکتا؟

سکریٹری: off course بڑے شوق سے میڈم۔ آپ کا راز راز رہے گا۔

مس روزی: بات یہ ہے youngman کہ ہمارا دو دو age ہے۔

سکریٹری: دو دو age

مس روزی: yes ایک تو ہمارا real age ہے اور دوسرا official age۔

سکریٹری: بہت خوب! مگر میڈم ادھر آپ کو اصل age لکھنا پڑے گا Because afterall it is matter of heart دلوں کا معاملہ ہے۔

مس روزی: (مری ہوئی آواز میں) اچھا تو لکھو 60 years

سکریٹری: (لکھتا ہے) اب یہ بتائیے کہ آپ کا Real trouble کیا ہے؟

مس روزی: trouble یہ ہے young man کہ ہم دو روز رات کو dream میں پھولوں کا سیج دیکھتا۔

سکریٹری: (حیرت سے) پھولوں کا سیج wounderful Madam

یہ ایج اور پھولوں کا سیج۔

مس روزی: (خفا ہو کر) ہم جانتا تھا تم ایسے ہی ہمارا مذاق مارے گا۔

سکریٹری: نہیں میڈم بالکل نہیں۔ آپ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ سچ کہہ رہا

ہو۔ اب آپ کے دن پھر گئے ہیں۔ مس روزی، آپ نے اب تک بہت کچھ "مس" کیا ہے، لیکن اب نہیں کریں گی۔ میں آپ کا پرابلم اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ عمر بیت چلی ہے لیکن احساس ابھی تک جوان ہے۔ کمبخت دل جو بوڑھا ہوگیا ہے، اصل فساد کی جڑ ہے لیکن آپ گھبرائیں نہیں میڈم بس یوں سمجھیے کہ آپ کا یہ Problem solve ہوگیا۔ یہ چارٹ دیکھیے اس میں ایک C grade دل کے بارے میں details درج ہیں۔ یہ ایک تیس سالہ Married عورت کا دل ہے جس کے تین بچے تھے۔ اس کا husband در روز رات کو دارو پی کر آتا تھا، اسی لیے اس بے چاری نے تنگ آکر خودکشی یعنی suicide کرلیا۔ اس دل پر کل خرچ آئے گا دو ہزار روپے۔

مس روزی: (گھبرا کر) مگر young man اس نے تو 'suciede' کیا ہے۔

سکریٹری: ہاں میڈم اسی لیے اس دل کا بھاؤ ہے صرف دو ہزار روپے۔ خیر اگر یہ دل آپ کو پسند نہیں تو جانے دیجیے۔ یہ دیکھیے دوسرا چارٹ۔ یہ ایک 'B' grade دل ہے پچیس سالہ Divorced عورت کا دل۔ اس پر کل خرچہ آئے گا چار ہزار روپے۔

مس روزی: کیا تمہارے پاس کوئی young man کا un married دل نہیں ہے۔

سکریٹری: Why not Madam ہمارے پاس ہر ٹائپ کے دل ہیں Married, unmarried loving un-loving دیکھیے یہ چارٹ۔ یہ ایک 'A' grade دل ہے ایک سترہ سال کی یعنی Sweet Seventeen کنواری لڑکی کا دل، کنوارے خوابوں میں ڈوبا ہوا دل۔ اس پر کل خرچ آئے گا دس ہزار روپے

مس روزی: تم خرچہ کا پرواہ مت کرو man ہم کو تو Sweet seventeen والا دل منگتا۔

سکریٹری: Then you are very lucky میڈم

ساٹھ برس کی عمر میں سترہ برس کا دل ! what a surprise

بس دل بدلنے کی دیر ہے آپ کی دنیا بھی بدل جائے گی "I mean whole world" پھر آپ یہ گاتی ہوئی کلینک سے باہر نکلیں گی" ابھی تو میں جوان ہوں، ابھی تو میں جوان ہوں۔

مس دوزی: Oh you naughty boy اوہ ! ہاں ایک بات پوچھنے کو سکتا۔

سکریٹری: شوق سے پوچھیے میڈم

مس دوزی: What do you mean by Bedil

سکریٹری: بے دل کا مطلب ہے میڈم Without heart

مس دوزی: Heart specialist ! اور without heart — what a surprise

سکریٹری: Yes Madam یہی تو کمال ہے۔ آپ ایسا کیجیے یہ فارم لیجیے اور بغل والے کمرے میں تشریف رکھیے، ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی آپ کو بلوا لیا جائے گا۔

مس دوزی: بائی۔ بائی۔

(میڈم کے جاتے ہی ادھر کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک ساتھ ایک عورت اور ایک مرد داخل ہوتے ہیں)

سکریٹری: (گڑبڑا کر) ارے ارے ! آپ دونوں ایک ساتھ۔ سب سے پہلے تو کماری جی آپ۔

عورت: (مسکرا کر) وہ دن ہوا ہوئے جناب جب میں کماری کہلاتی تھی۔ اب تو میں شریمتی ہوں، شریمتی۔ کماری کہلانے کا حق تو کنواری لڑکی کو ہوتا ہے۔ کماری اور کنواری !

سکریٹری: خیر کنواری نہ سہی بیاہتا سہی، میرا مطلب ہے کماری نہ سہی شریمتی سہی۔ آپ ادھر تشریف رکھیے اور مسٹر آپ جا کر ویٹ کیجیے at a time میں صرف ایک ہی مریض سے نپٹ سکتا ہوں۔

عورت : شریمان ایک ہی مریض سے نپٹیے۔ یہ ہیں میرے پتی دیو مسٹر نورنگی لال اور میں ہوں ان کی اردھانگنی، تارامتی۔

سکریٹری : تشریف رکھیے مسٹر نارنگی لال جی۔

تارامتی : نارنگی نہیں مسٹر نورنگی، نورنگی لال۔

سکریٹری : اوہ I am sorry۔ ہاں تو شریمتی تارامتی جی شکایت کسے ہے۔

تارامتی : میرے پتی کو ہے۔ اور صرف شکایت نہیں بلکہ شکایتیں ہیں، ویسے اصل مریض تو یہ ہیں مگر سزا میں بھگت رہی ہوں۔

سکریٹری : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مدھومتی جی۔

تارامتی : مدھومتی نہیں مسٹر، تارامتی۔

سکریٹری : سوری تارامتی جی۔ آپ اپنی پریشانی بتائیے۔

تارامتی : میرے پتی دیو کچھ زیادہ ہی دل پھینک واقع ہوئے ہیں۔ ہماری شادی کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں مگر ان کی دل پھینک طبیعت کا یہ عالم ہے کہ ہر روز کسی نہ کسی لڑکی کو چھیڑ آتے ہیں اور پھر ....

سکریٹری : کیوں مسٹر چورنگی لال؟

نورنگی لال : (غصہ سے) چورنگی نہیں نورنگی — نورنگی لال

سکریٹری : معافی چاہتا ہوں۔ ہاں تو مسٹر نورنگی لال جی یہ کیا نازیبا حرکات ہیں۔ اتنی اچھی سندر سوشیل attractive بلکہ active پتنی کے ہوتے ہوئے آپ اپنا دل کسی ربڑ کے گیند کی طرح گلیوں، کوچوں میں اچھالتے پھرتے ہیں۔

نورنگی لال : (جھلاکر) کیا میں پوچھ سکتا ہوں جناب کہ آپ میری پتنی کی سندرتا کا اتنا گن گان کیوں کر رہے ہیں؟

سکریٹری : اس لیے کہ جناب ..... کی عقل پر پڑا ہوا پردہ ہٹے اور آپ گھر کا بھجن چھوڑ کر پرائی لڑکیوں کے پیچھے رمبا سمبھا کرنا چھوڑ دیں۔

نورنگی لال : آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے، کیا آپ شہر بھر کی لڑکیوں کے ٹھیکیدار ہیں آخر آپ .....

سکریٹری : زیادہ گڑبڑ نہیں مسٹر Technicoloured

نورنگی لال : Technicoloured!

سکریٹری : جی ہاں آپ کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے۔ بہرحال میڈم آپ آگے کہیے۔

تارامتی : کہنا یہ ہے مسٹر کہ میرے پتی دیو ویسے تو فطرتاً بھولے بھالے اور ذمہ دار شہری ہیں مگر ان کے سینے میں جو دل ہے وہی کمبخت سارے فساد کی جڑ ہے جو انھیں ایسی اوچھی حرکات پر اکساتا ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

سکریٹری : بہت خوب بھانامتی جی . . .

تارامتی : (حیرت سے) جی! .....

سکریٹری : میرا مطلب ہے تارامتی جی میں آپ کے پتی دیو مسٹر سارنگی لال میرا مطلب ہے نورنگی لال کا کیس سمجھ گیا ہوں۔ آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے پتی دیو کے سینے میں یہ دل پھینک دل نکال کر ایسا دل ڈال دیا جائے جو کسی فولادی کھمبے کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہے، کیوں؟

تارامتی : بالکل! اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو منہ مانگی دولت دونگی۔

سکریٹری : شکریہ میڈم اس سلسلے میں فی الوقت ہمارے پاس کئی دل ہیں مگر ایک دل ایسا ہے جو آپ کی خواہش کے عین مطابق ہے۔ یہ دیکھیے چارٹ، اس پر اس دل کی ساری تفصیلات درج ہیں۔ یہ ایک ایسے پروفیسر کا دل ہے جو گرلز کالج میں دس سال تک لیکچر جھاڑتا رہا مگر کیا مجال ہے جو اس کا دل کبھی کسی لڑکی پہ پھسلا ہو۔

تارامتی : Thank you very much مسٹر میرے خیال میں اس سے بہتر دل ان کے لیے کوئی نہیں

سکریٹری : تو میڈم یہ چارٹ لیجیے اور آپ دونوں وہاں اس کمرے میں تشریف لے جائیے ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی آپ کو بلوا لیا جائے گا۔

(دونوں دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہیں)

سکریٹری : چپراسی اگلے مریض کو بھیجو۔

(دروازہ کھلتا ہے اور ایک نوجوان مگر کچھ گمبھیر سی لڑکی جھجکتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

سکریٹری: آئیے تشریف لائیے دیوی جی۔ ادھر براجیے اور اپنا فارم مجھے دیجیے (فارم دیکھتے ہوئے) ہوں، تو آپ مس نازک لوکھنڈ والا ہیں۔ بی اے فائنل کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ عمر اکیس سال مس نازک یہ آپ کی اصلی عمر ہے نا ۔ (جواب میں نازک کی گمبھیر خاموشی) میں پوچھتا ہوں یہ آپ کی اصلی عمر ہے نا مس نازک (پھر جھلا کر) مس لوکھنڈ والا کیا آپ گونگی ہیں، بہری ہیں آخر آپ کچھ کہتی کیوں نہیں۔

مس نازک: (دھیمی آواز میں) جی بات یہ ہے کہ مجھے کسی سے بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

سکریٹری: یہ تو بہت اچھی بات ہے اس بے شرمی کے دور میں جبکہ شرم ہر آشرم کو چھوڑ کر فو چکر ہو گئی ہے۔ آپ کا شرمانا بہت اچھی بات ہے۔ دراصل شرم ہی تو ناری کا اصلی زیور ہے لیکن محترمہ آپ اگر مجھ سے بھی یونہی شرماتی رہیں گی تو آپ کا problem کیسے سلجھے گا۔

مس نازک: آپ ٹھیک کہتے ہیں اس زمانے میں جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔ اپنے اسی شرمیلے پن کی وجہ سے میں آج تک کسی سے گھل مل نہیں سکی۔ جب بھی میں کسی سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی ہوں میرا دل بری طرح دھڑکنے لگتا ہے اور میں نروس ہو جاتی ہوں۔

سکریٹری: مس نازک آپ کا کیس میری سمجھ میں آ چکا ہے۔ آپ اپنے اس دل کے ہاتھوں پریشان ہیں اور اس شرمیلے دل کی جگہ کوئی نہایت ہی شوخ و شریر دل چاہتی ہیں۔ چلبلا اور چنچل دل۔

مس نازک: جی . . .

سکریٹری: بس تو پھر آپ کا کام بن گیا سمجھیے۔ ہمارے ہاں ایسے دلوں کی کمی نہیں۔ چلبلے دل، چھبیلے دل، رنگیلے دل، کٹیلے دل، ہٹیلے دل، بھڑکیلے دل، سجیلے دل۔ غرض کہ ہر قسم کے دلوں کا وافر اسٹاک موجود ہے۔ یہ چارٹ لیجیے اس میں ایسے ہی دلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں سے کوئی ایک دل choice کر لیجیے اور آپ جا کر اس بغل والے کمرے میں تشریف رکھیے۔ ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی آپ کو بلوا لیا جائے گا۔

(مس نازک لو گھنڈ والا کے جاتے ہی ایک دبلا پتلا نوجوان داخل ہوتا ہے وضع قطع سے ہپی اور چال ڈھال سے ماڈرن "رومیو" نظر آتا ہے سر اور چہرہ بالوں کے جنگل میں بری طرح ڈھکا ہوا۔ البتہ آنکھیں الو کی طرح چمکتی ہوئیں)

سکریٹری: (نوجوان کو دیکھتے ہی بے ساختہ کرسی سے اُٹھ کر پیچھے چھپ جاتا ہے) چپراسی۔ چپ۔ چپ چپراسی۔

چپراسی: (اندر داخل ہوتے ہوئے) حکم صاحب جی ——— ! ارے آپ وہاں کرسی کے پیچھے ——— !!! (دوڑ کر نزدیک پہنچتا ہے) کیا ہوا صاحب جی — ؟

سکریٹری: (بال بردار نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں) ابے یہ بن مانس کہاں سے اندر آگیا۔ نکال باہر

چپراسی: ہی ہی ہی (ہنستے ہوئے) یہ بن مانس نہیں صاحب جی، مانس ہے یعنی کہ آدمی آپ کی طرح ——— !

سکریٹری: (دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر بڑبڑاتے ہوئے) آدمی ہے، میری طرح۔ ابے یہ تو ڈاردن کا جد امجد معلوم ہوتا ہے۔

نوجوان: آپ نے مجھ سے کچھ کہا ——— !

سکریٹری: جی ہاں ——— جی نہیں ——— میرا مطلب ہے تشریف رکھئے۔

نوجوان (بیٹھتے ہوئے) آپ غالباً میرے حلیئے سے ڈر گئے۔۔۔

سکریٹری: (گڑبڑا کر) جی ہاں ——— جی نہیں ——— میرا مطلب ہے۔

نوجوان: (پر درد لہجے میں) میرے حلیے پر مت جائیے جناب میں بہت ستایا ہوا ہوں۔

سکریٹری: آپ کے اس حلیئے کے باوجود بھی، لوگ آپ کو ستاتے ہیں —

نوجوان: لوگ نہیں جناب "لگائیاں"۔

سکریٹری: (حیرت سے) لگائیاں ۔۔۔۔۔ !!

نوجوان: جی ہاں لگائیاں ——— نہیں سمجھے، یہ میری اپنی اختراع ہے جناب لوگ کی تانیث لگائیاں۔

سکریٹری: بہت خوب ——— لگائیوں کے ستائے، جھٹ پٹ اپنا پرابلم بتا!

نوجوان: پرابلم ——— وہی لگائیاں ———!

سکریٹری: یعنی ——— ی ——— ی ——— !!!

نوجوان: یعنی کے معنی، سینے میں صرف ایک اکلوتا دِل اور لگائیاں اتنی ڈھیر ساری پیاری پیاری، کُرمُری کراری ———

سکریٹری: (حیرت سے) کرمری کراری ——— معلوم ہوتا ہے آپ کو بسکٹ بہت مرغوب ہیں، رانگ نمبر پلیز۔ غلط جگہ آگئے ہیں آپ کسی بسکٹ کمپنی کا دروازہ کھٹکھٹائیے ———

نوجوان: (حیرت سے) کمپنی ———؟ لاحول ولاقوۃ، آپ بھی عجیب گوڑ آدمی ہیں، میری مراد بسکٹ نہیں بلکہ بسکٹ کی طرح نمکین کراری کرمری لگائیاں یعنی لڑکیاں ہیں ———

سکریٹری: اوہ! یہ بات ہے ———!

نوجوان: جی ہاں، ایک دل اور حسن والے ہزار، کس پہ اس واحد کو واروں، کس پہ کروں نثار۔ بڑی امیدیں لے کر آپ کے پاس آیا ہوں (سینہ ٹھوک کر) اس سینۂ ناہنجار میں ایک ساتھ کئی دل فٹ کر دیجیے تاکہ جھگڑا ہی مٹ جائے کہ دل کس کو دوں، اِس کو دوں کہ اُس کو دوں۔

سکریٹری: میں سمجھ گیا ——— بالکل سمجھ گیا۔ گھبرائیے مت، تھوڑی ہی دیر بعد جب آپ یہاں سے بامراد و شادماں باہر نکلیں گے تو ربر کے گیندوں کی طرح دلوں کو اچھالتے ہوئے نکلیں گے ———

نوجوان: (حیرت سے) ایک ساتھ کئی دل اچھلتے ہوئے مگر ——— مگر کیسے ———!

سکریٹری: (چارٹ بڑھاتے ہوئے) مگر کو چھوڑیئے پانی میں، آپ یہ چارٹ ملاحظہ فرمائیے جوانی میں غور سے دیکھیے اس چارٹ میں "دل پھینک" دلوں کا مفصل حال

درج ہے ، ٹھوک کے بھاؤ خریدیئے بلکہ ایک ساتھ کئی دلوں کا سودا کرنے پر ایک آدھ
دل مفت یعنی فری لیتے جایئے ۔

نوجوان : یہ بات ہے تو پھر دیر مت کیجئے فوراً دل ادلا بدلی " اپریشن شروع کر دیجئے ۔
(نوجوان ٹیبل پر لیٹنے کی کوشش کرتا ہے)

سکریٹری : (اسے روکتے ہوئے) یہاں نہیں بندہ پرور ، آپریشن تو آپریشن تھیٹر میں
ہوگا ' ڈاکٹر صاحب کے آنے کے بعد ہوگا آپ وہاں اس کمرے میں جا کر اپنی باری
کا انتظار فرمایئے ______ شکریہ ______

نوجوان : شکریہ نوازش ، کرم ــ مہربانی (پھر گانے لگتا ہے)
دل دے کے دیکھو ، دل دے کے دیکھو ، دل دے کے دیکھو جی ۔

(نوجوان کے بغل والے کمرے میں پہنچتے ہی کمرے میں سے دو چار بے چین آوازیں
ابھرتی ہیں)

کچھ آوازیں : کیا ڈاکٹر صاحب نہیں آئے ابھی تک ــ

سکریٹری : بس ابھی آتے ہی ہوں گے ۔ چپراسی ! تم ذرا دوڑ کر دیکھو تو ڈاکٹر صاحب ابھی
تک کیوں نہیں آئے ؟

(اُدھر چپراسی دوڑتا ہے ادھر ایک شاعر نما دوڑتے ہوئے بے دھڑک داخل
ہوتے ہیں)

شاعر نما : دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے ؟
بے دل صاحب ، بے دل صاحب مجھے بچا لیجیے ، میرا دل ، میرا دل ، میرا دل

سکریٹری : ہوش میں آیئے جناب ہوش میں آیئے ، آخر کیا ہوا ، آپ کے دل کو

شاعر نما : میرا دل درد سے خالی ہے مجھے درد چاہیئے ۔ مجھے درد بھرا احساس دل
چاہیے ۔ ایسا دل جو میرے شعروں میں درد ہی درد بھر دے ۔

سکریٹری : سب سے پہلے تو آپ تشریف رکھئے اور اپنا نام بتایئے ۔

شاعر نما : بے خبر ، بے دل صاحب بے خبر بندے کو بے خبر کہتے ہیں ۔

سکریٹری: بہت خوب! اب یہ بتائیے، بے خبر صاحب کہ آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ آپ کو شکایت کیا ہے؟

بے خبر: شکایت! ہائے نہ پوچھیے ہر آن ایک تازہ شکایت ہے جناب۔ دس سال سے شاعری کر رہا ہوں۔ وائے ری بد نصیبی برسوں کی مغز پچی کے باوجود آج تک ایک شعر بھی ایسا نہیں کہہ سکا جو لوگوں کے دلوں کو چھو لے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہی شعر لوگوں کے دلوں کو چھو لیتے ہیں جو دل سے نکلے ہوں۔ اور اپنا دل افسوس، اس سلسلے میں بالکل ہی کندۂ ناتراش ہے اسی لیے تو لوگ کہتے ہیں کہ میں دس سال سے شاعری نہیں کر رہا ہوں جھک مار رہا ہوں۔

سکریٹری: بے شک، بے شک ——

بے خبر: کیا فرمایا بے دل صاحب؟

سکریٹری: جی کچھ نہیں ویسے بندہ ڈاکٹر بے دل نہیں بلکہ ان کا سکریٹری ہے۔ خاکسار کو بے جگر کہتے ہیں بے خبر صاحب۔ ویسے میں نے آپ کا کیس سمجھ لیا ہے۔ ذرا آپ اپنی شاعری کا ایک آدھ نمونہ تو سنائیے۔

بے خبر: سنیے، عرض کیا ہے۔ ؏

جب وہ آتے ہیں میرا دل زور سے کرتا ہے دھک

اور جب نہیں آتے ہیں بیٹھا مارتا رہتا ہوں جھک

سکریٹری: واقعی آپ اچھی جھک مارتے ہیں۔

بے خبر: آداب عرض! آداب عرض! جھک نوازی ہے آپ کی بندہ پرور، ویسے ڈاکٹر بیدل صاحب اور ان کے کارناموں کا شہرہ سن کر چچا غالب کی دوربین نگاہوں کا قائل ہو جانا پڑتا۔

سکریٹری: (حیرت سے) چچا غالب کی دوربینی —— میں کچھ سمجھا نہیں، ڈاکٹر صاحب سے چچا غالب کا کیا تعلق۔

بے خبر: یہ پوچھیے کہ چچا غالب کا تعلق کس سے نہیں، برسوں پہلے دل ادلا بدلی کے

کے موضوع پر مستند انداز میں فرما گئے ہیں کہ؎

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جاکر دل و جاں اور

سکریٹری: بہت خوب ـــ شعر اچھا فِٹ کیا ہے آپ نے، ویسے خوش نصیبی کے سلسلے میں آپ خود کو کم تر مت سمجھئے۔ میرے حساب سے تو آپ چچا غالب سے بھی دو چار جوتے آگے ہی ہیں۔

بے خبر: (سر تسلیم خم کرتے ہوئے) شکریہ، ذرہ نوازی، ابھی تو آپ نے صرف نمونے کا شعر سُنا ہے۔ ذرا دیوان چھپ جانے دیجئے پھر دیکھئے کیسے کیسے استادوں کی چھٹی کرتا ہوں۔

سکریٹری: میرے خیال سے بے خبر صاحب ذرا سی غلط فہمی ہو گئی میرا اشارہ آپ کی شاعری کی طرف نہیں بلکہ خوش نصیبی کی طرف تھا۔ شاعری کے بارے میں فیصلہ تو خیر آنے والا وقت کرے گا البتہ خوش نصیبی کے معاملے میں اگلے وقتوں کے تمام استاد مل کر بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر چچا غالب آج کے دور میں پیدا ہوتے تو پھر ڈاکٹر بیدل کی بدولت وہ بھی آپ کی طرح خوش نصیبوں میں شمار کیے جاتے اور انہیں ایسے شعر کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ؎

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

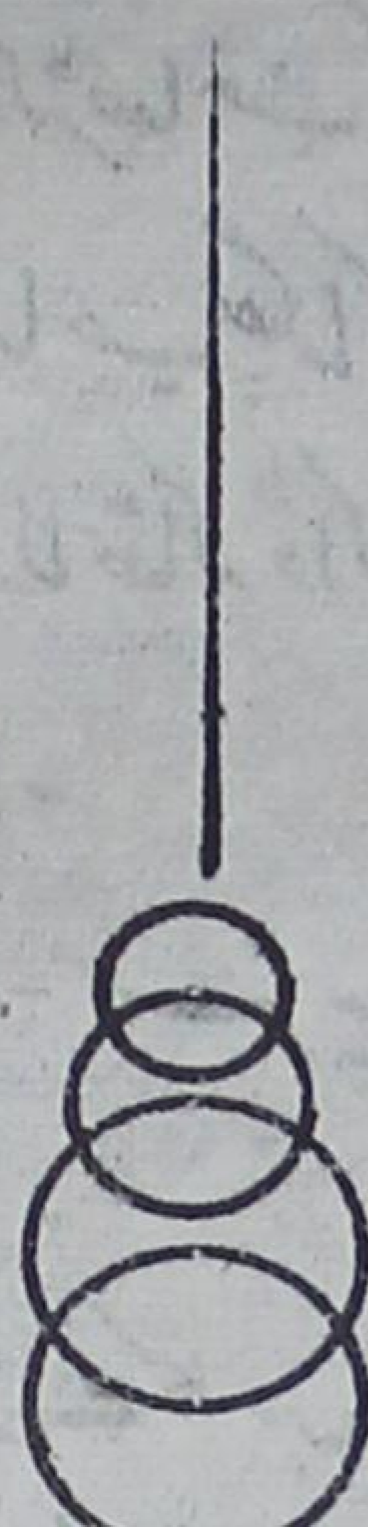
(اسی لمحہ دوسرے کمرے سے ڈاکٹر صاحب کے منتظر لوگ نکل آتے ہیں)

قادا مستی: ڈاکٹر صاحب کا کچھ اتا پتا بھی ہے کہ نہیں، آج وہ آئیں گے یا نہیں، آخر ماجرا کیا ہے؟

چپراسی: (اسی لمحہ ہانپتا کانپتا داخل ہوتا ہے) صاحب جی، صاحب جی، غضب ہو گیا ـــ!

سکریٹری : (گھبرا کر) کیا ہوا چپراسی
چپراسی : صاحب جی اپنے بے دل صاحب کا ہارٹ فیل ہو گیا۔
سکریٹری : کیا کہا ــــ بے دل صاحب کا ــــ ہارٹ ــــ فیل ــــ
چپراسی : ہاں جی ــــ
سکریٹری : مگر ــــ مگر ــــ مگر
چپراسی : وہ ہوا یہ جی کہ آج بیگم صاحبہ نے بکرے کا دل منگوایا تھا جسے جمن طشت میں رکھ کر دھونے کی غرض سے لے جا رہا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب یہاں آنے کے لیے نکل رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر اس پر پڑی بس جی نظر پڑنے کی دیر تھی۔ نظر پڑتے ہی ڈاکٹر صاحب چکرا کر گرے اور گرتے ہی ختم۔
مس روزی : (غصہ سے) مسٹر تم تو بولا تھا کہ ڈاکٹر بے دل کے سینے میں ہارٹ نہیں ہے پھر اس کا ہارٹ فیل کیسے ہوا۔
سکریٹری : میڈم ہم ٹھیک بولا تھا۔ مسٹر بیدل کے سینے میں ان کا اپنا ہارٹ نہیں تھا بلکہ بکرے کا دل تھا۔
سب ایک ساتھ : (اچنبھے سے) بکرے کا دل!!!
سکریٹری : جی ہاں بکرے کا دل اسی لیے تو ایک بکرے کا دل دیکھ کر دوسرے بکرے کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ ہائے بے دل صاحب اب میرا کیا ہوگا۔
تارا متی : (چلا کر) اب میرے پتی دیو کے دل پھینک دل کا کیا ہوگا۔
مس روزی : اور ہمارا Sweet Seventeen والا دل۔
مس نازک : اور میرا چلبلا دل
بے خبر : ہائے میرا درد بھرا دل، حساس دل، دل دار دل۔
سکریٹری : ہائے میرا دل، ہائے میرا دل۔

کشش



کردار

★ پروفیسر اور بیگم

★ مقام : پروفیسر صاحب کا گھر

★ وقت : صبح یا شام
(جو آپ مناسب تصور فرمائیں)

بیگم: سنتے ہو جی ــــ (ادھر سے جواب ندارد) اجی میں نے کہا سنتے ہو ــــ (پھر بھی ادھر سے کوئی جواب نہیں)
(جھلائے ہوئے لہجے میں) میں نے کہا کیا کانوں میں گھنگنیاں بھر رکھی ہیں یا سیسہ ڈال رکھا ہے۔ کچھ سنا تم نے...

پروفیسر: سن رہا ہوں حضور بالکل سن رہا ہوں اچھی طرح سن رہا ہوں اور صرف آپ ہی کی سن رہا ہوں بلکہ پچھلے پچیس ۲۵ سال سے لگاتار سن رہا ہوں۔ اور سننے سنانے کے اس سلور جوبلی سال میں ادھر جو کچھ سنانا ہے سنا دیجئے بے خوف و خطر۔

بیگم: سنانا کیا ہے خاک۔ گھنٹہ بھر سے برابر آوازیں دے رہی ہوں لیکن آپ کے کان ہیں کہ ایک جوں تک نہیں رینگی ان پر کیا اپنے سارے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

پروفیسر: ہماری ایسی تقدیر کہاں بیگم۔ ہمارے نکاح میں تو آپ کے ساتھ آپ کے حصّے کے گدھے گھوڑے بھی بہرے ہی آئے ہیں۔

بیگم: اُفوہ! پھر وہی لیکچر بازی۔ میں کہتی ہوں پروفیسر صاحب آپ لیکچر بازی اپنے کالج تک ہی محدود رکھیے۔ آپ صدر شعبۂ اُردو ہوں گے تو اپنے کالج کے یہ گھر ہے گھر کیا سمجھے۔

پروفیسر: کون اُلّو کا پٹھا ہے بیگم جو اپنے آپ کو گھر میں بھی پروفیسر سمجھتا ہے۔ اور وہ بھی آپ جیسی ہستیٔ بے ہنگام کے آگے حضور یہ ادنیٰ ترین تو صرف ایک ہی شعبہ کا صدر ہے۔ لیکن آپ اللہ غنی، آپ تو صدر ہر شعبہ ہیں الامان والحفیظ۔

بیگم: اُفوہ! آپ کو تو یہ پروفیسری لے ڈوبی۔ بھیجہ چاٹنے کے علاوہ کچھ اور بھی آتا ہے آپ کو۔ برسوں بعد کچھ کہنے کو جی چاہا تھا۔ لیکن۔

پروفیسر: کہیئے صاحب ضرور کہیے داستانِ امیر حمزہ تو اس فقیر حمزہ ہی کے حصے میں لکھی ہے۔ آپ بڑے شوق سے سنائیے ہم بڑی لگن سے سنیں گے۔

بیگم: میں خوب سمجھتی ہوں آپ کے یہ طعنے ــــ قسم لے لیجیے اب سے اگر کوئی

جی کی بات سنانے کو جی چاہے گا بھی تو آپ کو نہیں سناؤں گی بلکہ ان بے جان دیواروں کو سنا کر جی ہلکا کر لیا کروں گی۔

پروفیسر: بھئی خوب بیگم، کیا بات پیدا کی ہے واللہ۔ آپ کی اس بات نے تو اس مثل کو اس دور میں بھی سچ ثابت کر دیا کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

بیگم: اللہ میری توبہ، میرے گناہوں کی توبہ جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب آپ سے کچھ کہنے کو جی چاہا تھا۔

پروفیسر: ارے بھئی وہ منحوس گھڑی نہیں تھی بلکہ آپ کی زندگی کی سب سے یادگار گھڑی تھی یعنی ہمارے نکاح کی گھڑی جس گھڑی ہم نے آپ کو بہ عوض بیس ہزار مہر معجل سکہ رائج الوقت ہنستے ہنستے قبول کیا تھا۔

بیگم: لگتا ہے کالج کے چھوکروں نے آپ کا بھیجہ چاٹ چاٹ کر بالکل ہی پلپلا کر ڈالا ہے۔

پروفیسر: آپ فرائی کر دیجیے حضور۔

بیگم: مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ یہ نیک کام تو ہمارے پڑوسی ہی کر لیں گے؟ بلکہ ہمارے پڑوسی تو آپ کے ساتھ ہمارا بھیجہ بھی فرائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان دنوں۔

پروفیسر: کیا فرما رہی ہیں آپ۔ کون سے پڑوسی پورب والے کہ پچھم والے، اتر والے کہ دکھن والے۔ شمال مغربی یا جنوب مشرقی۔

بیگم: پھر وہی بکواس کم از کم گھر میں تو اپنی زبان بند رکھیے گھڑی بھر کے لیے اور یہ مت بھولیے پروفیسر صاحب کہ یہ گھر ہے گھر، آپ کا کلاس روم نہیں اور میں آپ کی منکوحہ ہوں، کوئی طالب علم نہیں۔

پروفیسر: بہت خوب صاحب آپ واقعی ہماری منکوحہ ہیں، طالب علم نہیں، لیکن ہماری طالب ضرور ہیں، علم کی نہیں بلکہ ہر پہلی تاریخ کو تنخواہ کی، یعنی آپ طالب تنخواہ ہیں، اور وہ بھی کچھ ایسے طلب فرماتی ہیں جیسے کوئی سود خوار پٹھان اپنا قرض وصول کرتا ہے۔ ڈنڈے کے زور سے یا دست و گریباں ہو کر۔

بیگم: اُفوہ۔ میں نے تو جوتیوں سے توبہ کی اب تو خدا ہی سمجھے آپ سے اور پھر جب آپ کے پڑوسی آپ کو سمجھنے لگ گئے ہیں تو خدا بھی سمجھ ہی لے گا کسی نہ کسی دن۔

پروفیسر: پھر وہی پڑوسی۔ ارے بھئی آج پڑوسیوں کا بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے آپ کے

سر پہ آخر کون سے پڑوسی، سیدھے ہاتھ والے یا الٹے ہاتھ والے، ناک کی سیدھ والے یا پچھواڑے والے۔

بیگم: ابھی سے اتنی دور کیوں جاتے ہیں پروفیسر صاحب ابھی تو سب سے قریبی پڑوسی عثمانی صاحب نے بسم اللہ کی ہے۔

پروفیسر: عثمانی صاحب! یعنی وہی عثمانی صاحب تو نہیں جن کی دختر نیک اختر حیدرآباد میں رہتی ہیں اور ہمارے فرزند ارجمند کی ہم جماعت بھی ہیں۔

بیگم: جی ہاں وہی، بالکل وہی عثمانی صاحب۔

پروفیسر: تو گویا اپنے سب سے قریبی پڑوسی عثمانی صاحب یعنی ہماری رگِ جاں کے بارے میں کچھ فرما رہی ہیں آپ۔

بیگم: جی ہاں، آپ کی اسی رگ جاں کے بارے میں کہہ رہی ہوں جس کی وجہ سے دیکھ لینا ایک دن جان پر بن آئے گی۔ یہ میری پیش گوئی ہے۔

پروفیسر: کیوں بھئی کیوں آخر کیا کیا عثمانی صاحب نے۔؟

بیگم: اجی یہ پوچھیے کہ کیا نہیں کیا۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے انھوں نے جو گھنٹی لگائی ہے دروازے پر، وہی بجلی کی گھنٹی کیا کہتے ہیں اس کو۔

پروفیسر: کال بیل (Call bell)

بیگم: ہاں ہاں وہی موئی ذرا سا دباتے ہی ایسے عجیب وغریب بے سرے راگ الاپتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔

پروفیسر: تو گویا آپ کو اس گھنٹی کا بے سرا پن کھٹک رہا ہے۔ یعنی اب آپ کی تفریحِ طبع کی غرض سے کال بیل بھی سر اور تال میں راگ الاپیں۔ بہت خوب بیگم واللہ آپ کا جواب نہیں۔ اب کوئی آپ کی خاطر اپنی کال بیل میں میاں تان سین یا بیجو باورا جیسے فن کاروں کو بند کرنے سے تو رہا کہ ادھر بٹن دبایا ادھر درباری یا ٹھمری شروع ہوگئی۔

بیگم: افوہ! آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔ مجھے لوگوں کی گھنٹیوں کی الاپوں سے کیا۔۔۔؟ وہ چاہیں تان سین کو اپنی گھنٹی میں بند کریں یا تانا سین کو

پروفیسر: تو آپ نے اس گھنٹی کے مسئلہ فیثا غورث کو چھیڑا ہی کیوں۔

بیگم: وہ اس لیے کہ آپ کو اپنے گھر بار کی، اپنے اطراف و اکناف کی کچھ فکر ہی نہیں

رہتی تھا۔ میں ہی مفت کی ہاتھ آگئی ہوں سارے جہان کا درد سمیٹنے کے لیے۔ آپ کی تو وہی مثل ہے۔ دھوبی بیٹے چاند والی۔

پروفیسر: بھئی بیگم آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہوگئی ہے کہ ہم آپ کے اس درد میں برابر کے شریک نہیں ہیں جبکہ ہمارا تو یہ حال ہے بقول امیر ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

بیگم: اوئی فوج خنجر چلے ہمارے دشمنوں پر آپ بس یوں ہی شعر و شاعری بگھاریئے۔ میں جنم جلی جو ہوں۔ سارے زمانے پر نظر رکھنے کے لیے۔ ابھی اس دن جب عثمانی صاحب نے اپنے دروازے پر گھنٹی لگوائی تھی مجھے تب ہی یہ بات کھٹکی تھی کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔

پروفیسر: کس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ آپ کی یہ نرالی منطق تو اپنی سمجھ میں آنے سے رہی بیگم۔

بیگم: سمجھ میں آجائے گی پہلے پوری بات تو سنیئے، میں کبھی غلط نتائج نہیں نکالتی۔

پروفیسر: اجی کیا شک ہے آپ کے نکالے ہوئے ریزلٹ Result تو ہمیشہ سو فی صد درست ہوتے ہیں۔ پرچے جو آؤٹ کر لیتی ہیں پہلے سے۔

بیگم: آپ نے پہلے بھی میری کوئی بات مانی ہے! لیکن اب ماننی پڑے گی۔ میں تو اس دن عثمانی صاحب کو گھنٹی لگواتے دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ ان کی گھنٹی کا اثر ہماری گھنٹی پر ضرور پڑے گا۔

پروفیسر: (ہنستے ہوئے) واہ! — یہ بھی خوب رہی بیگم۔

بیگم: ہنس لیجئے جی بھر کر ہنس لیجئے۔ کیوں کہ یہ جان کر چونک جانا پڑے گا کہ عثمانی صاحب کی گھنٹی کے لگتے ہی ہماری گھنٹی کی آواز کم زور پڑگئی اور اب تو دن بدن ماشاء اللہ گھٹتی ہی چلی جا رہی ہے۔ کبھی غور فرمایا ہے آپ نے اس پر دونوں گھنٹیوں میں فرق محسوس کیا ہے۔ ان کی گھنٹی کی آواز تو سارے محلے میں گونج اٹھتی ہے اور ایک ہماری گھنٹی کی آواز یوں لگتی ہے جیسے کوئی ننھا سا نحیف و ناتوان بچہ گھٹنوں میں سر دبائے کسی کونے کھدرے میں بیٹھا گھٹ گھٹ کر رو رہا ہو۔

پروفیسر: میں نہیں مانتا آپ کی اس بات کو جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر۔

بیگم : ہاں جی مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ آپ کہاں ماننے والے ہیں۔ لیکن میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ اس بار آپ کو قائل کرنے کی غرض سے پہلے ہی اس بات کی تصدیق کروالی ہے۔

پروفیسر : تصدیق کروالی ہے! وہ کس سے ؟

بیگم : اپنی کرمین بوا ہیں نا، وہی جن کا نواسہ الکٹرک کا کام جانتا ہے۔ ارے ابھی روز اپنی استری بھی تو اسی نے بنائی تھی۔

پروفیسر : اچھا! وہی نیم حکیم خطرۂ جان میکانک

بیگم : آپ کی نظر میں تو سب ہی نیم حکیم ہیں سوائے اپنے آپ کے۔ خیر اسی کے ذریعہ تصدیق کروانے پر معلوم ہوا کہ عثمانی صاحب کی گھنٹی میں کوئی ایسا آلہ لگا ہوا ہے جو ہماری گھنٹی کی ساری قوت سلب کر لیتا ہے۔

پروفیسر : (ہنستے ہوئے) بھئی خوب، بہت خوب، جواب نہیں بیگم آپ کا۔ تو گویا یہ تصدیق اسی نیم حکیم الکٹریشن نے خود آکر کی ہے۔

بیگم : جی ہاں تصدیق تو اس نے کی ہے لیکن خود آکر نہیں۔ اس بیچارے کو آج کل فرصت نہیں ہے۔ کرمین بوا کے ذریعہ میں نے پوچھوایا تھا۔

پروفیسر : (ہنستے ہوئے) تو گویا کرمین بوا کے ذریعہ یہ تصدیق عمل میں آئی ہے۔ یعنی کریلا اور اوپر سے نیم چڑھا۔ بھئی بہت اچھے۔

بیگم : اب کہئے آپ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں۔

پروفیسر : بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں اس سلسلے میں۔ عثمانی صاحب کا گھر ہے وہ مالک ہیں اپنے گھر کے چاہیں تو گھنٹی کی جگہ گھنٹہ لگوائیں ان کی مرضی۔ ہم ٹانگ اڑانے والے کون ہوتے ہیں۔

بیگم : تو یہ ہے آپ سے ٹانگ اڑانے کے لیے کون کہتا ہے ذرا ان سے مل کر اس جانب توجہ تو دلائیے۔

پروفیسر : بہت خوب گویا آپ یہ چاہتی ہیں کہ پروفیسر سید نثار احمد حسینی صدر شعبہ اردو نہایت ہی بچکانہ انداز میں ہونق کی طرح عثمانی صاحب سے یہ کہیں کہ قبلہ آپ کی شریر گھنٹی ہماری معصوم گھنٹی کی ساری قوت سلب کر لیتی ہے، آپ

ذرا اپنی گھنٹی کو تنبیہ کریں کہ یوں ہماری گھنٹی کو زدوکوب نہ کرے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بیگم: اب رہنے دیجیے یہ باتیں، آپ سے کبھی کچھ ہوا بھی ہے میں خود ہی نبیٹ لوں گی ان سے۔

پروفیسر: ارے بھئی ایسا غضب بھی نہ کر بیٹھنا بیگم۔ میں خود بات کرتا ہوں عثمانی صاحب سے آپ مطمئن رہیے۔

دوسرا ایکٹ

بیگم: آگئے آپ... پہلے یہ بتایئے کہ عثمانی صاحب سے بات ہوئی یا نہیں۔

پروفیسر: اُفوہ! ابھی ابھی تو گھر میں قدم رکھا ہے، ذرا چھپری تلے دم تو لینے دیجیے۔

بیگم: نہیں پہلے یہ بتایئے کہ عثمانی صاحب سے بات ہوئی ہے یا نہیں۔ جب تک یہ بات نہیں سنوں گی مجھے چین نہیں پڑے گا۔

پروفیسر: نہیں بھئی عثمانی صاحب سے بات نہیں ہوئی البتہ ایک ایسا نکتہ ہاتھ آیا ہے کہ اب عثمانی صاحب سے مل کر ان کی گھنٹی کے بارے میں کچھ کہنا عجیب سا لگتا ہے۔

بیگم: ذرا میں بھی تو سنوں آخر ایسا کون سا نکتہ آپ کے ہاتھ آگیا ہے۔

پروفیسر: آج آپ کی خاطر کالج لائبریری میں جاکر گھنٹہ بھر تک سائنس کی کتابوں میں سر کھپانے کے بعد اس بات کا علم ہوا کہ ہر چیز اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے اور جب ایک چیز کی کشش دوسری چیز کی کشش پر غالب آجاتی ہے تو پھر پہلی چیز کی کشش یا تو دوسری چیز کو یا پھر اس کی ساری قوتوں کو اپنے اندر سلب کر لیتی ہے۔

بیگم: (غصّہ کے انداز میں) اہا ہا کیا کہنے آپ کے اگر ایسا ہوتا تو پھر زمین سورج میں نہ گھس گئی ہوتی۔ چاند زمین میں نہ دھنس گیا ہوتا۔ اب تک آپ اپنا یہ علم، اپنے یہ نکتے اپنے تک ہی رکھیئے پروفیسر صاحب۔ کیا دنیا بھر کی کشش صرف عثمانی صاحب کے گھر اکٹھا ہو گئی ہیں۔ مانا کہ ان کی گھنٹی کی کشش ہماری گھنٹی

کی قوتوں کو سلب کر لیتی ہے۔ لیکن اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ جب سے عثمانی صاحب کے ہاں ریڈیو آیا ہے، ہمارے ریڈیو کی آواز گھٹتی چلی جا رہی ہے۔

پروفیسر: بیگم! یہ تو آپ کا وہم ہے سراسر وہم

بیگم: ہاں جی آپ تو یہی کہیں گے۔ ذرا چھت پر جا کر دیکھئے تو عثمانی صاحب نے اپنے ریڈیو کا ایریئل ہمارے ایریئل کے بالکل پاس لگایا ہے۔

پروفیسر: (ہنستے ہوئے) بہت اچھے، گویا آپ نے معائنہ بھی کر ڈالا لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے عثمانی صاحب کا ریڈیو ہمارے ریڈیو سے زیادہ کشش رکھتا ہو۔

بیگم: (بدستور طعنہ زن ہوتے ہوتے) ہاں جی سارے جہاں کی کششیں تو بس عثمانی صاحب کے حصے میں آئی ہیں۔ ان کی گھنٹی ہماری گھنٹی کی قوتوں کو سلب کر لیتی ہے ان کا ریڈیو ہمارے ریڈیو کی آواز کھینچ لیتا ہے۔

پروفیسر: (بدستور ہنستے ہوئے) بیگم حد ہو گئی توہمات کی۔

بیگم: (بدستور چڑچڑے لہجہ میں) تو آپ سے اس سلسلے میں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کچھ نہیں کریں گی یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔

پروفیسر: (لاچار لہجہ میں) آخر آپ چاہتی کیا ہیں بیگم۔ کیا میں کوئی ایسا آلہ ایجاد کر دوں جو عثمانی صاحب کے گھر کی ہر کشش کو اپنی طرف کھینچ لے۔

بیگم: (طنزیہ لہجے میں) اجی چھوڑیئے اگر آپ سے اتنا ہو سکتا تو پھر رونا کس بات کا تھا۔

(تیسرا ایکٹ)

(پروفیسر صاحب تیز تیز قدموں سے گھر میں داخل ہوتے ہیں)

پروفیسر: (مسرت انگیز لہجے میں) میں نے کہا بیگم مبارک ہو ——!

بیگم: اے ہے، یہ مبارک باد آخر کس سلسلے میں —— ہوا کیا؟

پروفیسر: ارے صاحب بات ہی ایسی ہوئی ہے کہ یہ جو آپ کا سر ہے نا فخر

سے جو اونچا ہوگا تو پھر چار مینار کی بلندی بھی شرم سے اپنا سر جھکا لے گی۔

بیگم: اب کچھ کہیں گے بھی آپ یا یوں ہی بات کو طول دیئے جائیں گے۔

پروفیسر: سنئے صاحب دل تھام کر سنئے۔ وہ جو آپ کو شکایت تھی ناکہ دنیا بھر کی کششیں صرف عثمانی صاحب ہی کے گھر کیوں اکٹھی ہوگئی ہیں، تو اب دیکھئے ان کی ساری کششوں پر ہماری اور تمہاری مشترکہ کشش کچھ اس طرح غالب آئی ہے کہ عالم برزخ میں مرزا غالب کی روح بھی خوشی سے جھوم رہی ہوگی۔

بیگم: صاف صاف بتایئے کیا کوئی ایسا آلہ خرید لائے ہیں جو عثمانی صاحب کی گھنٹی اور ریڈیو کی ساری کشش....

پروفیسر: (مداخلت کرتے ہوئے) خریدنا کیا معنی بیگم۔ ایسا نایاب آلہ کہیں بازار میں ملتا ہے بھلا۔ وہ تو اللہ میاں نے خود ہمیں عطا کر رکھا ہے۔

بیگم: (حیرانی سے) یعنی!!

پروفیسر: یعنی ہمارے فرزند ارجمند شہزاد میاں....

بیگم: (بدستور حیرانی سے) یہ کیا بات ہوئی۔

پروفیسر: بات نہیں بتنگڑ کہو بیگم بتنگڑ۔ آج ہی بھائی جان کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ ہمارے صاحب زادے نے اپنی ہی ایک ہم جماعت خوب صورت، خوب سیرت اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی کو اپنا شریک حیات بنانا پسند کیا ہے اور وہ لڑکی بھی ہمارے شہزادے کو پسند کرتی ہے۔

بیگم: (بوکھلائے ہوئے) میں کہوں، کہیں آپ کی عقل تو نہیں ماری گئی۔ یہ خوشی کا موقعہ ہے یا افسوس کا مقام۔ صاحبزادے نے پیٹ میں سے پاؤں نکال کر اپنی سعادت مندی کا کھلا ثبوت دیا ہے اور ایک آپ ہیں کہ...

پروفیسر: (مداخلت کرتے ہوئے) بیگم پہلے پوری بات تو سنو اگر تمہاری بھی باچھیں نہ کھل جائیں تو پھر کہنا۔ وہ لڑکی ہے نا جو تمہاری بہو بنے گی، جانتی ہو کس کی دختر نیک اختر ہے۔

بیگم: کس کی — !

پروفیسر: عثمانی صاحب کی۔

بیگم : یعنی وہی ۔۔۔ اپنے ۔

پروفیسر : جی ہاں وہی عثمانی صاحب یعنی اپنے رگِ جاں پڑوسی ۔ اب بتاؤ کس کی کشش کس پر غالب آئی ہے ۔ اب تو آپ کے سارے گلے شکوے ساری شکایتیں دور ہو گئیں نا ۔ فوراً اٹھئے عثمانی صاحب کے ہاں چلنے کی تیاری کیجئے ۔

بیگم : اوئی نوج اب ایسی جلدی بھی کیا ہے ۔

(مشترکہ ہنسی)

●●

سکریٹ ایجنٹ زیرو زیرو زیرو

عُرف بُدّھو رام جاسوس

افراد :

- رمیش ــــــ ایک جوان العمر مالدار بزنس مین
- شانتا ــــــ رمیش کی جوان العمر شکّی بیوی
- مِس جُھن جُھن والا ــــ رمیش کی خوبصورت پرائیویٹ سکریٹری
- بُدھو رام عرف بُدھوا ۔ ایک جوان العمر دیہاتی ملازم

- مقام : رمیش کا فلیٹ
- وقت : ۹ بجے صبح

(دروازہ کھٹکھٹانے اور پھر دھپا دھپ پیٹنے کی آواز)

شانتا: اوہ! کون "یم دوت" کا جوائی ہے جو دروازے پر بینڈ بجائے چلا جا رہا ہے۔ کہاں مر گئے سب نوکر چاکر.... ارے بابا.... کون ہے.... دو منٹ چھری تلے دم تو لو نرا گاؤدی معلوم ہوتا ہے۔

(دروازہ کھلنے کی آواز)

شانتا: (حیرت سے) ارے بدھوا تو——؟

بدھو: ہاں مالکن ہم بدھو رام —— پائے لاگی....

شانتا: ٹھیک ہے، ٹھیک ہے.... کب آیا تو گاؤں سے.... چل اندر آ

بدھو: بس وہیں سے سیدھے چلے آئے رہے ہیں ——

شانتا: بیٹھ بیٹھ.... گاؤں میں تو سب کشل منگل ہے نا....؟

بدھو: سب ٹھیک ہے رام کی کرپا سے....

شانتا: اور سنا کیسے آنا ہوا۔

بدھو: آپ ہی کے بلاوے پر تو آئے رہے ہیں ہم پار سال جب آپ گاؤں آئی رہیں تب کہا رہا ہم کہ بدھوا تو شہر آ۔ صاحب کے ہاں کام دلا دوں گی۔ سو بس آپ کی بات گرہ سے باندھ لی اور رام جی کی کرپا ہوتے ہی سیدھے چلے آئے رہے ہیں۔

شانتا: چل اچھا ہی کیا تو نے۔ بڑے اچھے سمے پر آیا —— ان دنوں ترے صاحب کے لچھن بھی کچھ اچھے نہیں جان پڑتے۔ سنا ہے ان دنوں کسی پر کٹی کو۔ دفتر میں رکھ چھوڑا ہے —— اب تو آ گیا ہے، ان دونوں پر ذرا نظر رکھنا۔

بدھو: آپ نشچنت ہو جائیے مالکن۔ ہماری نظر اتنی تیج ہے کہ اس پار سے اس پار کے سماچار لے آتی ہے۔

شانتا: چل اٹھ میں تجھے صاحب سے ملا دوں ــــ

(دونوں ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ رمیش ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ناشتہ کر رہا ہے)

شانتا: میں نے کہا جی، دیکھو کون آیا ہے گاؤں سے

رمیش: کون ہے یہ نمونہ۔

بدھو: پائے لاگی ہجور۔ ہم "نمونہ" ناہی آپ کے پرانے سیوک ہیں، بدھو رام

شانتا: میرے میکے سے آیا ہے۔

رمیش: تبھی اتنی اتاولی ہو رہی ہو ــــ کوئی خاص سندیسہ لایا ہے کیا؟

شانتا: نہیں پچھلے دنوں جب میں میکے گئی تھی تو اس سے وعدہ کر آئی تھی کہ آپ کے ہاں کوئی کام دلوا دوں گی۔

رمیش: کام ــــ کام کہاں ہے ڈارلنگ ــــ تم تو جانتی ہی ہو۔

شانتا: نہیں، میں کچھ نہیں جانتی ــــ تمہیں اسے نوکری دینی ہی ہوگی۔ ابھی اس روز تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں ایک اردلی کی ضرورت ہے۔ اسے رکھ لو ــــ اس کے پرکھوں نے برسوں ہمارے پریوار کی سیوا کی ہے۔

بدھو: ہاں ہجور ــــ ہم کھاندانی سیوک ہیں۔ جمانے سے مالکن کے میکے کی چاکری کرتا آیا ہے ہمارا پریوار ــــ بلکہ مائی باپ، اب تو مالکن ہی کا کھون نمک بن کر دوڑ رہا ہے اپنے سریر میں۔

رمیش: کیا ــــ!

بدھو: ہمارا مطلب یہ ہے کہ مالکن ہی کا نمک "کھون" بن کر دوڑ رہا ہے ہمارے سریر میں۔

رمیش: ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ــــ کچھ لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہو یا بالکل ہی انگوٹھا چھاپ ہو۔

بدھو: یہی تو ایک کھوٹ ہے ہم میں ہجور۔ باپ نے پاٹھ شالہ بھیجا تو تھا لیکن پنڈت جی کے "مولا بخش" کا ڈر ایسا بیٹھا من میں کہ ہر کالا اکشر سرا آج بھی بھینس برابر نجر

آدے ہے۔

رمیش: گویا بالکل کورے ہیں جناب

شانتی: میں کہتی ہوں اس سے آپ کو کونسے "آڈٹ" یا انکم ٹیکس کے کام کروانے ہیں۔
جو کام یہ کر سکتا ہے وہی کروائیے۔

بدھو: ہاں ہجور جھاڑو! برتن سے لیکر چوکیداری تک ہر کام کر سکتے ہیں۔ آجما کر دیکھ لیجئے ——!

رمیش: کہیں دو چار دن کام کر کے بھاگ تو نہیں جائے گا۔

بدھو: ارے ہجور! ہم کو ہمارے باپ نے مرتے سمے ایک ہی تو کام کی بات بتائی کہ
بدھوا کھاتی روٹی پر کبھو لات نہ ماریو۔

رمیش: اچھا تو ڈارلنگ تم اسے دفتر کا پتہ سمجھا کر بھیج دو۔ آج میں ایک میٹنگ میں ہوتا ہوا
دفتر جاؤں گا۔ بائی

(رمیش کمرے سے باہر چلا جاتا ہے)

شانتا: بدھوا تو اس سے پہلے کبھی شہر آیا ہے۔

بدھو: ہاں مالکن ایک بار آئے تھے ہم۔ جب یہاں کھیتی باڑی کے اوجاروں کی وہ لگی
تھی —— منائش

شانتا: منائش! —— ارے بدھوا منائش نہیں نمائش

بدھو: ہاں ہاں وہی منائش۔

شانتا: جہاں نمائش لگی تھی نا! اسی میدان میں بہت سارے کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں
اسی میدان کے راستے میں ایک بڑی بلڈنگ ہے اسی کے چوتھے مالے پر دفتر
ہے تیرے صاحب کا —— پتہ سمجھ گیا نا۔

بدھو: ہاں مالکن سمجھ گئے۔

۲

(رمیش کا چھوٹا سا سجا سجایا دفتر)

بدھو: (ہانپتے ہوئے) سالا سہر میں ایک ہی تو آفت ہے۔ دھنواں لوگ مکان بڑے
اونچے اونچے باندھتے ہیں۔ جیسے سیڑھی پہ چڑھ کر آکاس کے تارے نوچتے ہوں۔

چوتھے مالے پر تو پہونچ گئے اپنے رام ــــ ہو نہ ہو یہ سامنے والا "آفس" اپنے صاحب ہی کا ہوگا ۔۔۔ چلو اندر چلتے ہیں ۔۔۔ وہ سامنے ایک بابو صاحب بھی تو کھڑے ہیں، ذرا ان سے پوچھ دیکھیں ــــ ہم نے کہا۔ بابو صاحب، منٹ بھر کو تنک ادھر دھیان دینا۔

مس جھن جھن والا: اے دو پاؤں کا مین Man کیا ہم کو بابو صاحب لگتا ــــ ؟

بدھو: ارے باپ رے یہ تو مادہ ہے۔ پھر بھو تیری لیلا اپرم پایہ ــــ ایک ہی سریر میں دونوں روپ ــــ پیچھے سے نر آگے سے مادہ۔ وہ بھی آدھا یہ بھی آدھا۔

مس جھن جھن والا: یہ تم کیا بولتا مین (Man) کس سے ملنے کو منگتا۔

بدھو: یہ ہمارے مالک کی کچہری ہے نا ــــ ؟

مس جھن جھن والا: کون مالک

بدھو: ہماری مالکن کے مالک۔

مس جھن جھن والا: اوہ گاڈ! تم آدمی ہے کہ آٹھواں ونڈر wonder

بدھو: اے میم صاحب یہ ونڈر۔ بندر کسے کہتی ہو ــــ بندریا ہوگی تم خود ــــ!

مس جھن جھن والا: کیا ــــ؟ تم ہم کو بندریا بولا!!!

بدھو: ہاں ــــ پہلے تم نے ہم کو بندر کیوں کہا ــــ!

مس جھن جھن والا: ہم بولتا ہے مین گیٹ آوٹ۔ چلو نکلو ادھر سے ــــ nuisance!

بدھو: اے سہر کی چھوکری زیادہ رعاب (رعب) نہیں جھاڑنا ادھر کہہ دیتے ہیں ہاں ــ

رمیش: (مداخلت کرتے ہوئے) کیا بات ہے مس جھن جھن والا۔

مس جھن جھن والا: اوہ باس! تم ٹھیک ٹائم پر آگیا۔ یہ سٹریلا آدمی ہم سے کوئرل Quarrel کرنے کو مانگتا۔

رمیش: آخر ہوا کیا ــــ؟

بدھو: ہجور ہم آپ کے اس "جھن جھنا" سے جھگڑا نہیں کئے رہے۔

مس جھن جھن والا: سنا باس۔ یہ ایڈیٹ ہم کو جھنجھنا بولتا۔

رمیش: پلیز، مس جھن جھن والا، شانت ہو جاؤ کام ڈاون (Calm down پلیز یہ اپنا نیا اردلی ہے۔ گاؤں سے آج ہی ٹپکا ہے۔

مبدھو: ہم ٹِکے نہیں ہجور۔ کیا ہم آم ہیں جو جھاڑ سے ٹپک جائیں۔ ہم تو بھگ بھگ گاڑی میں بیٹھ کر آئے ہیں۔

رمیش: ہاں ہاں معلوم ہے.... اب بک بک مت کر اور یہاں میرے کیبن cabin کے باہر اس پر بیٹھ جاؤ — اور سُن کوئی مجھ سے ملنا چاہے تو پہلے اس کا کارڈ اندر میرے پاس پہونچانا سمجھا!

مبدھو: کون سا کارڈ ہجور، پوسٹ آپھیس کا کہ راشن کا۔

مس جھن جھن والا: سنا باس..... یہ ایک دم پیٹری سے اتریلا ہے

مبدھو: اے جھنجھنا میم صاحب ہم کیا تم کو ریلوے انجن دکھائی دیت ہیں۔

رمیش: مس جُھن جُھن والا تم جاؤ اپنا کام کرو (رمیش اپنے کیبن میں چلا جاتا ہے)

مبدھو: (اسٹول پر بیٹھتے ہوئے) عجب توری دنیا ہے مورے راما۔ کوئی یہاں آیا نچہ ہے کوئی یہاں ماما —

(مس جھن جھن والا فائیل لے کر کیبن کے دروازے پر پہونچتی ہے۔)

مبدھو: اے جھنجھنا میم صاحب اندر کہاں جا رہی ہو، پہلے اپنا کارڈ لاؤ —

مس جھن جھن والا: اوہ یو ایڈیٹ، سلی Ediot, Silly

مبدھو: سلی بلی کسے کہتی ہو — بلی ہوگی تم خود۔

مس جھن جھن والا: اوہ یو (you) Rascal

مبدھو: انگریزی میں گالی دیت ہو۔ اپنی سکل تو دیکھو سیسے میں

مس جھن جھن والا: باس ذرا ادھر آنے کو منگتا۔ یہ دھوتی ماسٹر ہمکو Enter ہونے کو نہیں دیتا۔

مبدھو: ہم کو دھوتی ماسٹر کہت ہو ذرا اپنی بھٹ بھر کی لنگوٹی تو دیکھو رام رام رام، نہ لاج نہ سرم

(رمیش باہر آتا ہے)

رمیش: اب کیا ہو گیا مس جھن جھن والا

جھن جھن والا: باس یہ اسٹوپڈ stupid ہم کو تمہارے پاس آنے کو نہیں دیتا

مبدھو: نا ہی ہجور ہم نے کھالی کارڈ مانگا تھا میم صاحب سے۔ آپ ہی نے تو کہا رہا کہ پہلے

کارڈ اندر پہونچانا، پھر

رمیش: ارے یہ بدھوا تو سچ مچ بدھو ہے۔ کارڈ، آفس کے لوگوں سے نہیں باہر کے ملنے والوں سے مانگنا سمجھا۔

بدھو: سمجھ گئے ہجور! ..... (رمیش اور جھن جھن والا کیبن میں داخل ہو جاتے ہیں)

جھن جھن والا: باس یہ نیا اردلی کیسا گھن چکر آدمی ہے۔ ایک دم ہمارا مستک پھرا دیتا۔

رمیش: ابھی نیا نیا ہے نا ڈارلنگ! آہستہ آہستہ سب کچھ سیکھ جائے گا تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر جی چھوٹا نہ کرو سوئٹی (جھن جھن والا کی مسکراہٹ)

رمیش: یہ ہوئی نہ بات۔ اس بات پر اس سنڈے کو پھر دیکھیں گے بلو ہاٹ بلو کولڈ Blow hot blow cold

(ہنسی)

۳

(رمیش اپنے کیبن میں بیٹھا ہے کہ مس جھن جھن والا داخل ہوتی ہے)

جھن جھن والا: گڈ مارننگ باس

رمیش: گڈ مارننگ سوئٹی۔

جھن جھن والا: باس کل ہم نے تھیٹر کے پاس تمہارا دو کلاک 'ویٹ' کیا بٹ تم نہیں آیا

رمیش: کیا تم کو میرا مسیج Message نہیں ملا

جھن جھن والا: نو باس

رمیش: تعجب ہے میں نے بدھو کو بھیجا تھا تمہارے گھر

جھن جھن والا: وہ تو ہمارا گھر نہیں آیا باس

رمیش: کام چور کہیں کا۔ ابھی دیکھتا ہوں ——— (زور سے) بدھوا ——— او بدھوا

بدھو: (دور کی آواز) آرہے ہیں ہجور (اندر داخل ہو کر) حکم ہجور

رمیش: حکم کے بچے! کل تجھے میم صاحب کے گھر جانے کے لیے کہا تھا اور تو...

بدھو: ان کے گھر تو گئے رہے ہم ہجور پر میم صاحب ہی کا پتہ نہیں تھا...

He is a liar
جھن جھن والا: باس یہ جھوٹ بولتا ایک دم جھوٹ .... ہی از اے لائر
بدھو: ناہی ہجور ہم کبھو جھوٹ نہیں بولتے، آپ کی سوگند ہم میم صاحب کے ٹھکانے گئے رہے...

جھن جھن والا: اوہ یو بلاڈی....
رمیش: ٹھہرو، ٹھہرو ــــ ہو سکتا ہے اس کے تمہارے گھر پہونچنے تک تم نکل چکی ہوگی۔ یہ تمہارے گھر گیا ضرور لیکن لیٹ گیا۔
بدھو: ناہی ہجور ہم ان کے گھر بالکل نہیں لیٹے۔ ہم تو کام کرنے کے سمے کبھو "دسرام" نہیں کرتے۔
رمیش: یہ کیا بک رہا ہے تو؟
بدھو: ہم سچ کہہ رہے ہیں ہجور۔ میم صاحب کے ٹھکانے لیٹنا تو ایک! ادھر ہم نے کمر بھی سیدھی نہیں کی۔

جھن جھن والا: یہ کیا بولتا باس یہ!
رمیش: اف! میں تو باز آیا اس "لٹھ مار کہ" نمونے سے۔ میں کہہ رہا ہوں لیٹ ــــ اور یہ سمجھ رہا ہے لیٹنا.... جا بابا تیرے ہاتھ جوڑے میں نے۔
بدھو: یہ کیا کرتے ہیں ہجور ہمارا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا.... ہم تو آپ کے چرنوں کی تچھ دھول ہیں ــــ ماٹی ہیں۔
رمیش: اچھا اچھا جا بابا جا

(۴)

جھن جھن والا: (چلاتی ہوئی) باس.... بڑا گھپلا ہو گیلا ہے....
رمیش: اب کیا ہو گیا ــــ مس جھن جھن والا
جھن جھن والا: اپنا کسٹمر اٹک مل سٹک مل چندی والا۔ وہ اپنے ہاتھ سے نکل گیا باس۔
رمیش: کیا کہہ رہی ہو تم....؟
جھن جھن والا: ہم ٹھیک بولتا باس۔ ابھی ابھی سیٹھ کا فون آیا تھا۔ وہ گرم لگتا تھا۔ بولا وہ سویرے ادھر فون لگایا ہوتا ین کی کسی نے فون پر اس کا بہت انسلٹ insult کیا باس....

رمیش: سویرے سب سے پہلے صرف بدھو ہی یہاں پہونچتا ہے ۔۔۔ کہیں اسی نے تو کباڑا نہیں کر دیا (اونچی آواز میں)
بدھوا، اے بدھوا کے بچے ۔۔۔ کہاں مر گیا کمبخت ۔۔۔۔۔
بدھو: (دور کی آواز) آئے ہجور ۔۔۔ حاجر ہوتے (اندر داخل ہو کر) حکم ہجور ۔۔۔۔
رمیش: حکم کے بچے آواز دے کر گلا بیٹھ گیا، کیا اب اونچا بھی سننے لگا ہے۔
بدھو: ناہی ہجور ہم تو آپ کی پہلی پکار پر ہی کان دھرے تھے پر جب آپ نے بدھوا کے بچے کی آواز لگائی تو ہم رگ گئے کہ ہجور ہم کو ناہی ہمارے بچے کو بلائے رہے ہیں۔ لیکن ہجور اس کے لیے آپ کو بہت انتجار کرنا پڑے گا۔ ابھی تو ہماری سگائی بھی ناہی ہوئی ۔۔۔
رمیش: اب چپ بھی کرے گا یا یونہی میرا بھیجہ چاٹتے جائیگا ۔۔۔
بدھو: شیو، شیو، شیو یہ کیسی بات کہت ہیں ہجور ہم تو شد ھ شاکاہری ہیں۔ ماس مچھی کو چھوتے تک نہیں، پھر آپ کا بھیجہ کیسے چاٹ سکتے ہیں۔
رمیش: (گھٹنوں پہ ہاتھ مار کر) اوہ مائی گڈ نیس Oh my goodness
بدھو: (حیرت سے) گھٹ نیس! یہ آپ کے گھٹنے کو کیا ہوا ہجور کہیں موچ ووچ تو نہیں آئی گئی۔
رمیش: ہے بھگوان ۔۔۔!!
بدھو: ہاں ہجور! بھگوان سب ٹھیک کر دے گا، جرا ہم کو تو دکھا تا اپنا گھٹنا ۔۔۔۔
رمیش: (چلاّ کر) اے اور گھٹنے کی اولاد نکل جا، دور ہو جا میری نظروں سے ــــ مس جھن جھن والا، اس کا حساب صاف کر کے فوراً آفس سے نکال باہر کرو اسے ۔۔۔۔
بدھو: نکالنے کی جرورت، ناہی ہجور ہم کھود جا رہے ہیں، پر اتنا یاد رکھنا ہجور ہم یہاں سے سیدھے مالکن کے پاس جاویں گے۔
رمیش: (غصہ سے) مجھ پر دھونس جماتا ہے، بول ۔۔۔ بتا ــــ کیا کہے گا مالکن سے۔
بدھو: یہی کہ مالکن ہم آپ کا اور آپ کے پرکھوں کا بہت نمک کھائے رہے ہیں، آپ کی گرہستی کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے، جرا اپنے مالک سے ہسیار رہیں، یہ ادھر آپ کو بھی دارجلنگ دارجلنگ پکارتے ہیں اور ادھر آپھس میں جھنجھنا میم صاحب کو بھی۔
جھن جھن والا: سنا باس تم نے ۔۔۔ یہ دو ٹکے کا آدمی تم کو بلیک میل کرنے کو منگتا، او گاڈ

——— اب ادھر میں یا تو ہم رہے گا یا یہ بلیک میلر۔

مبلا ہو: ادھر تم ہی رہ لینا جھن جھنا میم صاحب، اپنا تو دانہ پانی اٹھ گیا ادھر سے۔ اچھا ہجور کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو شما کر دینا۔ جے رام جی کی۔!

(بدھوا جانے کے لیۓ پلٹتا ہے)

رمیش: (گڑبڑا کر) اے بدھوا ——— (پھر چاپلوسی کے لہجے میں) پیارے بدھوا، ارے بھئی رُک تو سہی تو اتنی سی بات پر خفا ہو گیا۔ مذاق بھی نہیں سمجھتا۔

مبل ہو: مجاق۔ مطبل یہ کہ آپ ہم سے "ٹھنگل" کئے رہے ہجور....

رمیش: ہاں!! اور تو ذرا دیر کی ہنسی دل لگی میں برا مان گیا۔

جھن جھن والا: باس! یہ تم کیا بولتا....

رمیش: یو شٹ اپ مس جھن جھنا

جھن جھن والا: جھن جھنا!... باس تم ہمارا انسلٹ کرتا اس بدھو رام کا سامنے....

رمیش: پلیز، پلیز جھن جھن والا.... مجھے۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو.... ورنہ، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ بدھو یہ نہیں بلکہ بدھو تو میں ہوں میں۔....

جھن جھن والا: یہ تم کو کیا ہو گیلا باسس...

رمیش: میں بہت دیر میں یہ بات سمجھ پایا مس جھن جھن والا، یہ بدھو دراصل میری پتنی کا جاسوس ہے جاسوس!

جھن جھن والا: (حیرت سے) جاسوس! یو مین سیکریٹ ایجنٹ.. زیرو، زیرو، زیرو

رمیش: یس یس جھن جھنا...

مس جھن جھن والا: اوہ، نو باسس

مبل ہو: (مسکراتے ہوئے) تو پھر ہجور ہم جائیں ڈیوٹی بجانے....

رمیش: ہاں ہاں سرکار آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔

مبل ہو: جے رام جی کی، جے رام جی کی۔

تُو تُو مَیں مَیں

○ کردار:

شوہر + بیوی = تُو تُو مَیں مَیں

○ مقام:

ایک متوسط درجے کے سرکاری ملازم کے مختصر سے گھر کا کمرہ

○ وقت:

پہلی، دوسری، یا تیسری تاریخ کی صبح یا شام

بیوی: میں نے کہا ڈبل روٹی والا بل چھوڑ گیا ہے، دیکھ لیجئے۔
شوہر: (اپنے کمرے میں سے) کیا کہا! ڈبل چوٹی والا دل چھوڑ گیا ہے۔
بیوی: (کمرے میں داخل ہو کر جھلائے ہوئے لہجے میں) ہاں جی، اب اس عمر میں کوئی ڈبل چوٹی والا تھالی میں دل سجا کر آپ کے گنجے سر پر مارنے کے لیے چھوڑ جائے گا۔
شوہر: (گڑبڑا کر) آپ ہی نے تو فرمایا کہ کوئی ڈبل چوٹی والا....
بیوی: (مداخلت کرتے ہوئے) ڈبل چوٹی نہیں، ڈبل روٹی ڈ... ب... ل... ر... و... ٹی
شوہر: ڈبل روٹی، دھت تیری کی۔
بیوی: ان ادھار کھاتے والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اناج والا، تیل والا، دودھ والا..... ابھی اور نہ جانے کون کون سے والے باقی ہیں۔
شوہر: اور یہ سب "والے" آپ ہی نے تو پالے ہیں۔ ان کے بلوں سے خدا محفوظ رکھے۔ لیکن کہاں تک —— !! لگتا ہے یہ بل اس دل پر پتھر کی سل رکھ کر ہی دم لیں گے۔
بیوی: (جھلا کر) اُف !! اب چپ بھی رہیئے۔
شوہر: کیوں چپ رہوں، کیسے چپ رہوں، کوئی تُک بھی ہے آخر۔ ذرا ان بلوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔ اناج والے کے ڈیڑھ سو روپے، گوشت اور ترکاری والے کے سوا سو روپے، دودھ والے کے سَو روپے، اخبار والے کے تیس روپے، ہمارے سگریٹ وغیرہ کے پچاس روپے۔
بیوی: (جھلا کر) سگریٹ وغیرہ کے پچاس —— !
شوہر: صرف پچاس روپے۔
بیوی: (منہ بنا کر) صرف پچاس روپے —— اجی میں کہتی ہوں۔ آخر کیا سمجھ کر اتنے روپے ان ناس پیٹے سگریٹوں میں پھونک ڈالتے ہو۔ میں کہتی ہوں آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب خون پسینہ بن کر ٹپکتا ہے تب کہیں جا کر روپے ہاتھ آتے ہیں اور آپ ہیں کہ خون پسینے کی کمائی دھوئیں میں اڑا رہے ہو، حد ہو گئی فضول خرچی کی.....
شوہر: (طنز سے) خیالات کو یکجا کرنے کے لیے دو چار سگریٹ کیا پی لیتا ہوں کہ فضول خرچی ہو گئی۔ اور یہ جو تم آٹھوں پہر بکری کی طرح ہرے ہرے پان کے

پتے چباتی رہتی ہو۔ یہ شاید فضول خرچی نہیں ہے ــــــ میں تو کہتا ہوں خدا بچائے آپ کے ان کم بخت پانوں سے۔ دیکھئے تو صرف ایک ہی لفظ ہے 'پان' لیکن وہی بات ہے بقول شاعر ع

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اس پان کے ناز نخرے ملاحظہ فرمائیے ــــــ اس کے لیے چاہیئے چونا، کتھا، سپاری الائچی، لونگ، تمباکو، قوام اور نہ جانے کیا کیا الابلا۔ کم بخت پان نہ ہوا وبال جان ہو گیا وبال جان!

بیوی: (روہانسے لہجے میں) ہاں کہہ لو، جتنا زہر اگلنا ہے اگلو۔ ایک یہی تو طلب ہے سو وہ بھی اب آپ کو کھٹکنے لگی ہے۔ اس کے علاوہ بتائیے کوئی اور ذوق شوق ہے۔ تفریح کا، سینما کا، ناٹک کا ــــــ

شوہر: اور جیسے میں بڑا شوقین ہوں، ریس، جوا، سٹہ، شراب وغیرہ کی علتیں ہیں مجھ میں لے دے کے ایک یہی سگریٹ کی طلب ہے، اب یہ بھی تمہیں سلنے لگی ہے۔

بیوی: (طنز سے) مجھے کیوں سلنے لگی! آپ سگریٹ چھوڑ حقہ پیئں لیکن اتنا تو بتائیے اس طرح ان ناس پیٹے سگریٹوں میں ڈھیروں روپے پھونک دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں کہتی ہوں یہ سگریٹ نہیں بلکہ آپ نوٹ جلا کر پیتے ہیں نوٹ ــــ!

شوہر: (بات اچک کر) بہت اچھے! اور وہ جو آپ پان کے ہرے ہرے پتے چبا کر چونچ لال کیے رہتی ہیں۔ کیا ان سے روپوں کا ناس نہیں ہوتا۔ ہم مرد اگر سگریٹ کے روپ میں نوٹ جلا جلا کر پیتے ہیں تو پان کی شکل میں آپ خواتین بھی نوٹ چباتی ہیں، نوٹ ــــ

بیوی: لیکن ہمارے پان پر آپ کے اس ناس پیٹے سگریٹوں سے کم ہی خرچ آتا ہے۔

شوہر: جی ہاں، بلکہ یہ کہیے کہ کچھ خرچ ہی نہیں آتا۔ یہ جو ہر ماہ بنیئے کا لمبا چوڑا بل آتا ہے، وہ نخواہ مخواہ بھیجتا ہے؟ میں کہتا ہوں بیگم صاحبہ بنیئے کے اس لمبے چوڑے بل کے ذمہ دار آپ کے پان ہیں، پان ــ سپاری کا بھاؤ دیکھئے۔ لگتا ہے جیسے آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ کتھے کی شان ملاحظہ فرمائیے۔ اتنے کا تولہ گویا کتھا نہ ہوا سونا ہو گیا۔ اور الائچی کم بخت خود اتنی سی ہوتی ہے لیکن نخرا ایسا عالی شان کہ بھاؤ سن کر ہی طبیعت بے بھاؤ ہو جاتی ہے۔

بیوی : بس اتنے ہی میں ہو گیا قافیہ تنگ، آفریں ہے اگلے وقتوں کے مردوں پر کتنی ہی نجابت
کیوں نہ کریں لیکن کیا مجال ہے جو بیگمات کے پاندان کا خرچ روکا ہو کبھی -

شوہر : (طنز سے) اسی لیے تو شاہی خاندانوں کے وہ سارے ٹھاٹ باٹ آپ کے اس
کم بخت پاندان نے بنا ڈکار لیے ہضم کر ڈالے اور آج انہیں اعلیٰ خاندان کے افراد
دانے دانے کو اور پانی پانی کو ترس رہے ہیں جن کے آبا و اجداد پان دان کے خرچ
کے لیے وظیفے دیا کرتے تھے، وظیفے

بیوی : جیسے آپ کے ان ناس پٹے سگریٹوں نے لوگوں کو لارڈ، گورنر کے عہدے دلوا
دیتے ہیں - میں کہتی ہوں اپنے گھر کا جو اندھا دھند خرچ چل رہا ہے اس کے ذمہ دار
صرف اور صرف آپ کے سگریٹ ہیں -

شوہر : یہ تو وہی بات ہوئی "ملا جو بھی نرم" ہوئے اسی پر گرم" - گورے مونچھوں والا" بھرے
داڑھی والا ...
میں کہتا ہوں پان کی جان "گھر کے خرچے کے "چرخے" کو اندھا دھند چلانے
والے آپ کے پان ہیں پان -

بیوی : جی نہیں ! اس سارے فساد کی جڑ آپ کے سگریٹ ہیں سگریٹ -

شوہر : جی نہیں پان -

بیوی : نہیں سگریٹ -

شوہر : نہیں پان -

بیوی : سگریٹ -

شوہر : پان -

بیوی : سگریٹ -

شوہر : سگریٹ

بیوی : نہیں پان

شوہر : نہیں سگریٹ -

(جیسے ہی دونوں کو اپنی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کچھ دیر چپ ہو جاتے ہیں)

شوہر : (شرمساری سے) بیگم ہماری اپنی زبان نے حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے -

سچ پوچھو تو آپ کے پان، اور ہمارے سگریٹ دونوں ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

بیوی: ہاں جی، نہ ہم میں یہ فضول عادتیں ہوتیں نہ ہر تنخواہ کو یہ ہنگامہ کھڑا ہوتا۔ سچ کہا ہے کسی نے جتنی چادر ہو اتنے ہی پیر پھیلانے چاہئیں۔

شوہر: اور ہماری ان فضول خرچیوں کی وجہ سے چادر روز بروز سکڑتی اور پیر پھیلتے چلے جا رہے ہیں لیکن اب ہمیں نہایت ہی سوچ سمجھ کر گھر کا خرچ چلانا ہے۔ ماشاءاللہ ہمارے سلیم نے انٹر پاس کر لیا ہے کل کو اگر اسے انجینئرنگ میں داخل مل گیا تو فیس وغیرہ کے اخراجات کی ادائیگی اسی تنخواہ سے کرنی ہوگی۔۔۔ کچھ نہ کچھ بچت کی صورت نکالنی پڑے گی۔ بلکہ میں کہتا ہوں تم کل ہی پوسٹ آفس جا کر سیونگ اکاونٹ کھول لو۔۔۔

بیوی: ٹھیک ہے، مگر روپیہ آئے گا کہاں سے۔

شوہر: ایک ترکیب ہے۔

بیوی: وہ کیا؟۔۔

شوہر: میں آج ہی سے سگریٹ بند کر دیتا ہوں۔

بیوی: بے دھیانی میں یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں اگر سگریٹ نہ ملے تو بوکھلا جاتے ہو، دماغی کام کرتے ہو۔ خیالات کو یکجا کرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اگر سگریٹ چھوڑ دو گے تو کسی کام کے نہ رہو گے۔۔

شوہر: تو پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔

بیوی: آہستہ آہستہ سگریٹ کم کرتے جائیے۔

شوہر: نیک مشورہ ہے بیگم، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم میں سرے ہی سے یہ لت نہ ہوتی تو پھر ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

بیوی: افسوس مت کیجیے جو ہو چکا سو ہو چکا البتہ میں نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ پان بالکل چھوڑ دوں گی۔

شوہر: یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیگم یہ تو سراسر ظلم ہوگا، ایک پان ہی تو تمہیں مگن رکھتا ہے۔

بیوی: اپنے بچے کے لیے کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتی۔ ایک دم نہ سہی آہستہ آہستہ چھوڑ دوں گی۔

شوہر: سچ ہے بیگم۔ یہ عادتیں ایک دم چھوٹنے سے رہیں لیکن ان فضولیات پر اب جو ڈھیروں روپیہ خرچ ہو رہا ہے، اگر ہم کوشش کریں تو خاصی کمی کر سکتے ہیں۔

بیوی: وہ کیسے ——

شوہر: جہاں اب میں مہنگے سگریٹ پیتا ہوں ان کی جگہ سستے قسم کے سگریٹ پینا شروع کر دوں گا اور تم پان میں یہ جو الم غلم چیزیں استعمال کرتی ہو انہیں ترک کر دو تو کافی بچت ہو سکتی ہے۔ اور یہی روپیہ سیونگ اکاونٹ میں جمع کر دیا ... جا سکتا ہے۔

بیوی: بات تو آپ نے سو فیصدی ٹھیک کہی ہے اس پر آج اور ابھی سے عمل شروع۔

شوہر: ابھی سے نہیں بیگم کل سے۔ یہ جو سگریٹ باقی ہیں انہیں تو پی لینے دو ——

بیوی: اوئی نوج —— (ہنسی)

●●

کرکٹ بھاشا

کردار:

- مسٹر اگروال
- بیگم اگروال
- مسٹر اینڈ مسز کھنہ
- مِس ریتا
- کشور
- انل اور
- نندو

- مقام : اگروال کا فلیٹ
- وقت : اتوار کی سہ پہر (کسی اور تعطیل کی سہ پہر بھی ہو سکتی ہے)

بیگم اگروال: ریتا تم ابھی تیار ہوئیں کہ نہیں

ریتا: (اپنے کمرے سے) ابھی تیار ہوئی جاتی ہوں ممّی

بیگم اگروال: (کمرے میں داخل ہو کر) تو یہ ہے۔ اِتم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ ہے بھگوان میں کہتی ہوں، تمہارے ڈیڈی کے لاڈ اور بیجا پیار نے تمہیں کہیں کا نہیں رکھا۔ ان لوگوں کے آنے کا سمے ہو گیا اور تم ہو کہ ابھی تک سر جھاڑ منھ پھاڑ بستر میں دبکی ناول پڑھ رہی ہو —!!

ریتا: افوہ! ممّی آپ بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار، ہر بات میں جلد بازی سے کام لیتی ہیں۔ ابھی تو صرف تین بجے ہیں، وہ لوگ چا ساڑھے چار بجے تک آئیں گے۔ ابھی پورا ایک گھنٹہ باقی ہے۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! یہ لڑکی تو مجھے پاگل بنا کے چھوڑے گی۔ چار بجنے میں اب کسر ہی کیا رہ گئی ہے۔ تمہیں تیار ہوتے ہوتے ایک گھنٹہ (چٹکی بجاتے ہوئے) یوں نکل جائے گا۔

ریتا: جی نہیں، میں تو یوں چٹکی بجاتے تیار ہوتی ہوں۔ مجھے آپ کی طرح "ڈبل کوٹ" میک اپ کی ضرورت نہیں۔

بیگم اگروال: لو اور سنو، بھلائی کا تو جیسے زمانہ ہی نہیں رہ گیا۔ جسے دیکھو کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ پھر بھی ہمارا کام ہے مشورہ دینا سو دیئے جائیں گے۔ جب تمہارا جی چاہے تیار ہو جانا۔ مگر ہاں! وہی ساڑی پہنو جو ابھی پچھلے ہفتے خریدی ہے۔

ریتا: افوہ ممّی توبہ ہے! وہ ساڑی تو ایک دم سرخ ہے۔ میں تو نہیں پہنوں گی۔

بیگم اگروال: جو تمہارا من چاہے کرو، یہاں میری سنتا ہی کون ہے۔ ادھر بیٹی کے یہ نخرے اُدھر باپ کا وہ لاابالی پن —— میں تو بھر پائی اس گھر سے۔

ریتا: ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے ممّی۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! بات ہی خفا ہونے کی ہے۔ وہ لوگ خالی ہنسی دل لگی کرنے تو نہیں آرہے ہیں۔ تمہیں دیکھنے بات پکی کرنے آرہے ہیں سمجھیں ——

ریتا: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، وہ لوگ تو مجھے دیکھ بھی چکے پسند بھی کر چکے البتہ رسم کے مطابق بات پکی کرنے ضرور آرہے ہیں۔ اس لیے خواہ مخواہ کے اس دکھاوے کی ضرورت نہیں، سمجھیں آپ۔

بیگم اگروال: جو تمہارا جی چاہے کرو، میں چلی۔ میرے من کی بات تو کوئی سمجھتا ہی نہیں۔ ارے نندو ذرا ادھر تو آ کم بخت۔

نندو: جی مالکن —— حکم...

بیگم اگروال: حکم کے بچے۔ صاحب کدھر ہیں؟ انہیں دیکھا ہے تو نے۔

نندو: آج تو نہیں دیکھا مالکن۔ ہاں کل سویرے دیکھا تھا۔ وہاں بغیچے میں بیٹھے اپنی ریتا بٹیا سے باتیں کر رہے تھے۔

بیگم اگروال: لو، اور سنو! ارے بھوندو یہ تو کس صاحب کی بات کر رہا ہے؟

نندو: وہی مالکن۔ اپنی ریتا بٹیا کے صاحب، آنند بابو ——

بیگم اگروال: ہے بھگوان، یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ جسے دیکھو اپنی ہانک رہا ہے۔ ارے بھوندو عقل کے دشمن میں تیرے مالک کو پوچھ رہی ہوں۔

نندو: ہمارے مالک! وہ تو مالکن وہاں اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ بڑبڑا رہے ہیں۔

بیگم اگروال: بڑبڑا رہے ہیں!! لو اور سنو، کہیں ان پر پھر سے کرکٹ کا دورہ تو نہیں پڑ گیا ہے بھگوان اس دورے کو بھی آج ہی پڑنا تھا۔

نندو: دورہ ا——کا ہے کا دورہ مالکن

بیگم اگروال: تو جا، اپنا کام کر۔ ہے رام اس گھر پہ نہ جانے کس کا "شراپ" ہے ——

(شوہر کے کمرے میں داخل ہو کر)

اجی میں نے کہا آپ یہاں بیٹھے اپنے خیالی کرکٹ کے میدان میں "چوے چھکے" اڑا رہے ہیں اور ادھر مسٹر کھنہ اپنی پتنی کے ساتھ آتے ہی ہوں گے۔

مسٹر اگروال: آنے دو بھاگوان آنے دو۔ ان کو بھی فیلڈ (field) میں لانے دو گیم کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! میں نے کہا وہ لوگ پہلی بار ہمارے یہاں آ رہے ہیں، کچھ تو ان کے شایانِ شان استقبال ہونا چاہیئے۔

مسٹر اگروال: میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں بھاگوان! تم اگر اپنی دو چار سہیلیوں کو بھی بلا لیتیں تو کھیل کا لطف دوبالا ہو جاتا۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! اب گھر بیٹھے ہی اپنی ہنسی اڑانا باقی رہ گیا ہے۔

مسٹر اگروال: ہنسی کیسی بھاگوان! میں کہہ رہا ہوں، تمہاری سہیلیاں آ جاتیں تو فیلڈ کی پوزیشن مضبوط ہو جاتی۔ وہ تمہاری پیاری سہیلی مسز سنہا ہیں نا! وہ مڈ آن (Mid On) پر پوزیشن سنبھالتیں اور مسز غوری یہاں "گلی" (Gully) میں مورچہ سنبھالتیں۔

بیگم: ہے بھگوان! میں تو باز آئی ان کی اس کرکٹ سے۔ میں کہتی ہوں اب بس بھی کرو یہ اوٹ پٹانگ بکواس، تمہارے ان فاسٹ، میڈیم فاسٹ اور گگلی (Googly) گیندوں نے ہم سب کو کلین بولڈ (Clean Bowled) کر دیا ہے اب تو کرکٹ کے اس جال سے باہر نکل آؤ۔

مسٹر اگروال: بھئی بہت اچھے ایک ہی اوور (Over) میں سارے وکٹ اڑا دیئے، ونڈرفل۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! میں کہتی ہوں بھگوان کے لیے آج تو اپنی کرکٹانہ اصطلاحات کو بالائے طاق رکھ دو۔

مسٹر اگروال: کرکٹانہ اصطلاحات۔ بھئی بہت اچھے بھاگوان تم نے تو اصطلاحات کی دنیا میں ایک نئے لفظ کا اضافہ کر دیا۔ کیا کہنے مکرر ارشاد...

بیگم اگروال: اُفوہ! میں تو ہار گئی۔ آپ اڑایئے یونہی اپنے چوکے چھکے۔ میں تو چلی یہاں سے۔

مسٹر اگروال: ارے بھئی۔ چلیں کہاں ——؟

بیگم اگروال: ذرا رسوئی کی بھی خبر لوں۔ آپ کی اوٹ پٹانگ باتوں میں لگی رہی تو پھر مہمانوں کے ہاتھوں "اننگ ڈیفیٹ" (Inning Defeat) یقینی ہے۔

مسٹر اگروال: بھئی بہت اچھے، کیا ہک (Hook) لگائی ہے۔ مزہ آ گیا۔

(بیگم اگروال جاتی ہیں اور نند کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ مسٹر اور مسز

اگروال کے پندرہ سالہ سپوت کشور اور پڑوسی وکیل صاحب کے سپوت انل بھی داخل ہوتے ہیں)

نند و : مالک! ذرا ان دونوں ببوا لوگن کو سمجھائے دیو۔

مسٹر اگروال : کیوں؟ ——— کیا ہوا ——— !

نند و : یہ اپنے کشور بھیا اور انل بابو ہاتھا پائی کئے رہے مالک۔

مسٹر اگروال : کیوں بچو! کیا یہ سچ ہے کہ تم دونوں "پچ" (Pitch) میں دھینگامشتی کر رہے تھے۔

کشور : ڈیڈی میں نہیں . . .

انل : نہیں انکل . . . یہ مجھ سے . . . .

مسٹر اگروال : نوبال (No-Ball) تم دونوں ایک ساتھ بالنگ نہیں کر سکتے۔ انل پہلے تم بالنگ کرو۔

انل : انکل میں اپنے لان میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا کہ کشور نے مجھے پتھر سے مارا۔

کشور : یہ جھوٹ بولتا ہے ڈیڈی، میں تو . . . .

مسٹر اگروال : پھر "نوبال" کشور پہلے انل کو اپنا اوور (Over) ختم کرنے دو۔ ہاں تو انل آگے بالنگ کرو۔

انل : پہلے پتھر پر تو میں نے دھیان نہیں دیا انکل۔

مسٹر اگروال : ویری گڈ۔ ایک ماہر اوپننگ بیٹس مین (Opening Batsman) کی طرح تم نے پہلی گیند کو خالی چھوڑ دیا۔

انل : جی ہاں انکل۔ اس کے بعد کشور نے دوسرا پتھر میری پیٹھ کا نشانہ لے کر پھینکا۔

مسٹر اگروال : یعنی کہ فل ٹاس! (Full Toss) پھر کیا ہوا ——— ؟

انل : پھر بھی میں کتاب پڑھتا رہا انکل۔

مسٹر اگروال : یعنی کہ "فیلڈ" میں جمے رہے، بہت اچھے! تم تو بڑے ٹھنڈے دماغ کے کھلاڑی معلوم ہوتے ہو۔ آگے ہٹ کرو۔

انل : لیکن انکل جب کشور نے ایک ساتھ کئی پتھر پھینکے تو میں کتاب رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مسٹر اگروال : یعنی اس بار تم Defensively کھیلنے کے بجائے جارحانہ بیٹنگ

مسٹر اگروال : او۔ کے ہٹ اِٹ فاسٹ (Ok. Hit it fast)

کشور : میں نے جان بوجھ کر انل کو پتھر نہیں مارا، درخت سے پھسل کر ایک آدھ پتھر اسکے لگ گیا ہوگا۔

مسٹر اگروال : یعنی تم انل کے ہاتھوں "کیچ آؤٹ" (Catch out) ہونے سے بال بال بچ گئے۔

کشور : جی ہاں، اب انل خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔

انل : نہیں انکل، یہ جھوٹ بولتا ہے اس نے جان بوجھ کر مجھے پتھر مارا۔

کشور : نہیں ڈیڈی یہ جھوٹا ہے۔ دراصل اس دن یہ مجھ سے دوڑ میں ہار گیا تھا، اسی کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔

مسٹر اگروال : خاموش۔ اِتم دونوں ہی رن آوٹ (Run-out) تم دونوں کو زبردستی فیلڈ سے باہر کیا جاتا ہے۔ جب تک تم دونوں میں پھر سے میل ملاپ نہیں ہو جاتا ہماری تمہاری بات چیت بند۔

(کشور اور انل منہ لٹکائے کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں)

مسٹر اگروال : اُفوہ! دونوں کے "بمپرز" (Bumpers) نے میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالیں ـــــ نندو ـــــ ابے او نندو کے بچے ـــــ

نندو : آئے رہے ہیں مالک ـــ کیا بات ہے، پھرمائیے سرکار ـــــ

مسٹر اگروال : ابے او الّو کی دم فاختہ۔ ان دونوں "فاسٹ بولروں" کو فیلڈ میں ڈھکیل کر کہاں رفو چکر ہو گیا تھا تو ۔ ۔ ۔ ۔ کتنی بار کہا ہے تجھ سے ایسے موقعوں پر اسکور کاؤنٹ "کیا کر۔

نندو : بھول گئی مالک ـــ پھر کبھی ایسی چوک نہیں ہوگی۔ (جانے لگتا ہے)

مسٹر اگروال : ابے چلا کہاں۔ کیا میں نے تجھے "آؤٹ" ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

نندو : نہیں مالک۔

مسٹر اگروال : ابے او بودم بے دال، تو آخر کھیل کے اصولوں سے واقف ہوگا۔ بتا یہاں جو نیلے رنگ کی کتاب رکھی تھی، کہاں گئی۔

پر اتر آئے ـــــ

انل : نہیں انکل میں نے پہلے تو کشور کو سمجھایا

کشور : یہ جھوٹ کہتا ہے ڈیڈی ـ

مسٹر اگروال : نو تھرو بال (No Through-ball) کشور اس وقت فیلڈ میں تمہاری پوزیشن بہت نازک ہے ـ ہاں تو انل ، تم آسگے ہٹ کرو ـ لیکن ذرا defensively

انل : میں کشور کو سمجھا ہی رہا تھا انکل کہ اس نے ہاتھا پائی شروع کر دی ـ

کشور : اوہ ڈیڈی ! یہ بالکل جھوٹ کہتا ہے ـ

مسٹر اگروال : پھر نو بال کشور ـ

کشور : اوہ ، ڈیڈی یہ بالکل جھوٹ کہتا ہے ـ

مسٹر اگروال : پھر نو بال کشور

کشور : ڈیڈی ، میری بھی تو سنئے ـــــ

مسٹر اگروال : ٹھہرو ـــ پہلے انل کو آوٹ (out) ہونے دو ـ ہاں تو انل تمہیں اور کچھ کہنا ہے ـ

انل : جی نہیں انکل ـ

مسٹر اگروال : یعنی کہ تم اپنی خوشی سے ریٹائر (Retire) ہوتے ہو ، چلو کشور اب تم اپنی بولنگ شروع کرو ، مگر "بنڈہ بولنگ" کھیل کے اصولوں کے بالکل خلاف ہے ـ

کشور : ڈیڈی میں دراصل کچھ آم توڑنے کے لیے پتھر مار رہا تھا ـ

انل : آم کے بہانے یہ مجھے پتھر مار رہا تھا ـ

مسٹر اگروال : غلط ـ شروعات ہی غلط ـ جو بال سیدھے وکٹوں پر ہو یعنی "On the stumps" اسے ہٹ نہیں کیا جاتا بلکہ "Defentively" کھیلا جاتا ہے ـ

کشور : اوہ ! ڈیڈی ! پہلے پوری بات تو سنئے

نندو: پتہ نہیں مالک، ہم کو بتا کر نہیں گئی۔

مسٹر اگروال: کیا کہا——؟

نندو: سچ کہتے ہیں سرکار، آپ کی سوگند۔ ہم سے کچھ کہہ کر نہیں گئی ورنہ ہم اسے اتنی آسانی سے جلنے دیتے! کان پکڑ کر آپ کے ہاں لے آتے۔

مسٹر اگروال: ابے تیری "بالنگ" تو اپنے پلے بالکل نہیں پڑی۔ کچھ اس طرح "اسپین (Spin) کر رہا ہے کہ "ہٹ لگنے پر" "کیچ آوٹ" ہونے کا ڈر اور Defensively کھیلنے پر "کلین بولڈ" (Clean Bowled) ہونے کا خطرہ ——یہ بتا تو نے کبھی کرکٹ کھیلی ہے——؟

نندو: بچپن میں اپنے گاؤں میں کھیلتے رہے ہیں سرکار۔

مسٹر اگروال: اچھا! تیرے بچپن میں یعنی اب سے چالیس پچاس برس پہلے گاؤں میں یہ ماڈرن گیم پہونچ گیا تھا۔

نندو: ہاں سرکار! انتر بس اتنا ہی رہا کہ شہر کے لوگ گیند بلّے سے کھیلتے ہیں اور گاؤں میں بلّے کی جگہ "ڈنڈا"، اور گیند کی جگہ "گلّی" استعمال کرتے ہیں۔

مسٹر اگروال: بلّے کی جگہ ڈنڈا اور گیند کی جگہ گلّی۔ ابے تو کہیں گلّی ڈنڈا کی بات تو نہیں کر رہا ہے۔

نندو: ہاں مالک گلّی ڈنڈا—— یہ انگریز قوم بڑی ہوشیار ہوتی ہے۔ کئی بھارتی کھیلوں کے نام بگاڑ کر اس نے نئے نئے نام دے دیئے ہیں مالک۔

مسٹر اگروال: بھئی بہت اچھے تیری اس ریسرچ کا جواب نہیں —— میں نے کہا جاگن (اپنی بیگم کو آواز دیتے ہوئے) ذرا یہاں "پچ" (Pitch) میں تو آنا۔

(کچھ توقف کے بعد مسز اگروال کمرے میں آتی ہیں)

بیگم اگروال: کیا ہے جی! کیا ہوا—— ارے یہ نندو یہاں کیا کر رہا ہے؟

مسٹر اگروال: بھئی تمہارے اس نندلال نے جب سے کچھ ایسی خطرناک بالنگ کی کہ بے چارے انگریزوں کے وکٹ بھی خطرے میں پڑ گئے۔ کہتا ہے کہ کرکٹ دراصل گلّی ڈنڈے کا انگریزی روپ ہے۔

بیگم اگروال: ذرا اور سنو! تمہاری یہ بات بے بات کی کرکٹ ہی گیا کم تھی جو اب

میننددبھی پیٹ سے پاؤں نکالنے لگا۔

مسٹر اگروال: واقعی بھاگوان ذرا ٹھنڈے دل سے ہٹ کر و تو محسوس ہوگا کہ کرکٹ اور گلی ڈنڈے میں کوئی "انڈرگراونڈ" (underground) تعلق ضرور ہے۔

بیگم اگروال: ہاں ہاں ہوگا۔ اب اٹھئے کپڑے بدلیئے۔۔۔

مسٹر اگروال: وہ کس خوشی میں۔

بیگم اگروال: لو اور سنو! کیا بھول گئے ابھی تھوڑی دیر میں مسٹر اور مسز کھنہ آنے والے ہیں۔

مسٹر اگروال: او، ہاں ہاں میں بھول گیا تھا، لیکن بھاگوان ان کے آنے سے میرے لباس بدلنے کا کیا تعلق ہے۔

بیگم اگروال: ہے۔ وہی تعلق جو گلی ڈنڈے کا کرکٹ سے ہے۔

(اسی پل مسٹر اور مسز کھنہ دروازے پر پہونچتے ہیں)

مسٹر اور مسز کھنہ: نمستے!

بیگم اگروال: کون مسٹر اینڈ مسز کھنہ! نمستے نمستے

مسٹر اگروال: نمستے حضور! آپ کے چرن کیا ہمارے دوار پر پڑے بھاگیہ جاگ اٹھے ہمارے۔ آیئے فیلڈ میں تشریف لایئے۔

مسز کھنہ: جی —— فیلڈ، یعنی کہ۔۔۔

بیگم اگروال: ان کا مطلب ہے اندر تشریف لاکر ان صوفوں کی رونق بڑھایئے۔

(مسٹر اور مسز کھنہ صوفے پر بیٹھتے ہیں)

مسز کھنہ: گھر تو آپ نے خوب سجایا ہے بہن جی۔

بیگم اگروال: شکریہ بہن جی! ان مردوں کا بس چلے تو گھر کو "گھڑ" بنا دیں گھڑ۔

مسٹر کھنہ: مجھے لگتا ہے بھائی صاحب، میں نے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہے۔

مسٹر اگروال: غالباً میں نے بھی آپ کو پہلے کہیں "ہٹ" کیا ہے۔

مسٹر کھنہ: جی —— !

بیگم اگروال: ان کا مطلب ہے آپ کو پہلے کہیں نہ کہیں ضرور دیکھا ہے —— ارے

نندو، تو ابھی تک یہیں کھڑا ہے، جا۔ جا کے ذرا رسوئی کی خبر لے۔

نندو: جو حکم مالکن۔ لیکن سرکار ناشتہ پانی یہیں لائیں کہ وہاں میز پر لگائیں۔

مسٹر اگروال: ناشتہ پانی!!! ابے او کم عقل تجھ سے کتنی بار کہا ہے کہ ناشتہ پانی نہیں، ڈرنکس (Drinks) کہا کر ڈرنکس۔

نندو: وہی مالک۔ "ڈرنک یس" کہاں لگائیں؟

مسٹر اگروال: میرے سر پر کمبخت کھیل کے اصولوں سے قطعی واقف نہیں۔ کھیل کے دوران کھلاڑی میدان چھوڑ کر نہیں جاتے۔ ڈرنکس کی ٹرالی (Trolly) "پچ" میں لائی جاتی ہے۔

نندو: اب ہم کو کیا معلوم تھا مالک کہ مہمان لوگ بھی کھلاڑی ہیں۔

مسٹر اگروال: ابے او زبان دراز، جب عقل بٹ رہی تھی تب کہاں تھا۔

نندو: آپ کی سیوا میں تھے مالک۔

(مسٹر اینڈ مسز کھنہ کا قہقہہ ——— نندو چلا جاتا ہے)

مسز کھنہ: بہن جی! ریتا بیٹی نظر نہیں آتی، کہاں ہے؟

مسٹر اگروال: غالباً اپنے "پویلین" (Pavilion) میں ہے۔

مسز کھنہ: جی ——— ہا!!

مسٹر کھنہ: بھئی بہت اچھے . . . .

(اسی لمحے بنی سنوری ریتا کمرے میں داخل ہوتی ہے)

ریتا: نمستے انکل ——— نمستے آنٹی جی۔

مسٹر کھنہ: نمستے نمستے۔

مسز کھنہ: جیتی رہو بیٹی، یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو۔ ابھی ابھی تمہاری ہی یاد ہو رہی تھی۔ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری۔

مسٹر اگروال: کیوں نہیں، آل راؤنڈ کھلاڑی ہے ہماری صاحبزادی۔ سنچری مکمل کئے بغیر آؤٹ نہیں ہوگی۔

مسٹر کھنہ: بلکہ میں تو کہتا ہوں بھائی صاحب ہر عورت آل راؤنڈ کھلاڑی ہوتی ہے۔ اس کی زبانی بالنگ اچھے اچھے سورماؤں کا بھرتہ بنا دیتی ہے۔ اس کی فیلڈنگ ایسی

ملا ئٹ ہوتی ہے کہ "چوے چھکے" تو دور بے چارے مرد کے لیئے "سنگل" تک لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جبکہ خود اس کی "بٹینگ" اتنی جارحانہ ہوتی ہے کہ شاید ہی کبھی سنچری مکمل کرنے سے پہلے "آوٹ" ہوتی ہے۔ اور مرد بے چارہ چاہے کتنی ہی محتاط "بیٹینگ (Batting) کیوں نہ کرے آدھی سینچری بھی مکمل نہیں کر پاتا کہ ملک الموت یا "یم دوت" کے ہاتھوں "کیچ آوٹ"، "رن آوٹ" یا "کلین بولڈ" ہو جاتا ہے۔۔

مسٹر اگروال: بھئی بہت اچھے! زندگی اور موت کی ٹکر کا موازنہ گیند اور بلّے کی ٹکر سے کیا خوب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میدان کے آپ بھی کھلاڑی رہ چکے ہیں۔۔۔

مسٹر کھنہ: ہائے ہائے! ہائے! یادوں کے خاموش کنویں میں کیا ہلچل مچادی آپ نے بھائی صاحب۔ وہ زمانہ یاد آ گیا ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء تک عثمانیہ یونیورسٹی کرکٹ ٹیم کا کپتان رہ چکا ہوں۔

مسٹر اگروال: تب ہی تو میں نے کہا تھا کہ آپ کو پہلے بھی کہیں ضرور "میٹ" کیا ہے! شاید آپ ۱۹۵۴ء کا وہ یادگار "میچ" نہ بھولے ہوں گے جس میں آپ کی ٹیم کا بمبئی یونیورسٹی کی کرکٹ ٹیم سے ناقابل فراموش مقابلہ ہوا تھا۔

مسٹر کھنہ: بھائی صاحب وہ میچ تو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔

مسٹر اگروال: ذرا یاد کیجیے اس حریف کرکٹ ٹیم کا کپتان کون تھا۔۔۔؟

مسٹر کھنہ: ذرا ٹھہریئے، ابھی بتاتا ہوں ۔۔۔ اس ٹیم کے آل راونڈ کپتان تھے کوئی وجے کمار اگروال ۔۔۔ یعنی کہ بھائی صاحب آپ!!!

مسٹر اگروال: جی۔۔۔۔۔

مسز کھنہ: لیجیے بہن جی، یہ دونوں تو ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے نکلے۔

بیگم اگروال: ہاں بہن جی! ہم تو پہلے ہی ان کی "باونڈریوں کی زد میں تھے۔ اب بھائی صاحب کی بالنگ" سے بھی بچنا پڑے گا۔

مسٹر اگروال: تم عورتیں کیا جانو کرکٹ کسے کہتے ہیں۔ تم صرف کوڑا کرکٹ تک ہی محدود رہو۔

مسٹر کھنہ: خوب بھائی صاحب، کرکٹ اور کوڑا کرکٹ!! جواب نہیں۔

مسز کھنہ: میں کہتی ہوں بھائی صاحب پہلے ذرا رشتے کی بات ہو جائے پھر آپ دونوں شوق سے "بالنگ اور بیٹنگ" کیجیے۔

مسٹر کھنہ: ہاں بھئی اصل بات طے ہو جانی چاہیے۔ آپ دونوں یہ جانتے ہی ہیں کہ آپ کی ریتا اور ہمارا آنند ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

مسٹر اگروال: اپنی زبان میں کہیے کہ یہ دونوں پہلے ہی "ہٹ وکٹ" (Hit wicket) ہو چکے ہیں۔

(ریتا شرماکر بھاگ جاتی ہے)

مسٹر کھنہ: لو بھئی، ریتا تو "کلین بولڈ" ہو گئی۔

مسٹر اگروال: نہیں صاحب فی الحال وہ شرماکر "ریٹائر" ہو گئی ہے۔ اپنی "بالنگ" اور "بیٹنگ" کے اصل جوہر تو وہ شادی کے بعد دکھائے گی۔

(مشترکہ ہنسی)

••

کھاتا پیتا روزہ

کردار :

مرزا صاحب، بیگم، شمیم، سلیم، انگور والا، اور
ایک عدد مرغ (زندہ و تابندہ)

وقت : (۹ بجے)

محلِ وقوع :

(خاصہ دن نکل آیا ہے، بیگم صاحبہ آنگن میں بچھے پلنگ پر سودے کی
فہرست تیار کر رہی ہیں، ان کی دختر نیک اختر شمیم، بنی سنوری
کتابیں سینے سے لگائے نمودار ہوتی ہیں۔)

شمیم : اچھا امّی میں کالج چلی۔
بیگم : کیا نو بج گئے؟ ذرا دیکھنا تو تمہارے ابّا کیا کر رہے ہیں؟
شمیم : وہ ابھی تک خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔
بیگم : اچھی مصیبت ہے، میں کہتی ہوں برسوں بعد آج روزہ رکھا ہے کیا یوں ہی لوٹ پوٹ کر گذار دیں گے۔؟
شمیم : اچھا امّی خدا حافظ
(شمیم کالج کے لیے روانہ ہو جاتی ہے اور بیگم بڑبڑاتی ہوئی بیڈ روم میں پہونچتی ہیں جہاں مرزا صاحب پلنگ پر پیر پھیلائے سو رہے ہیں)
بیگم : اچھی مصیبت ہے، میں نے کہا اب اٹھیے بھی۔ روزہ رکھ کر اتنی دیر تک نہیں سونا چاہیے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔
مرزا : (ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے) کیا ہوا بیگم! کیا افطار کا وقت ہو گیا آپ کی دعا سے۔
بیگم : اچھی مصیبت ہے، ابھی تو صرف نو بجے ہیں نو۔
مرزا : کیا کہا! صرف نو بجے ہیں آپ کی دعا سے۔ خیر ذرا کریم سے کہنا کہ میرا حقّہ گرم کر لائے۔
بیگم : (جھلّا کر) حقّے کا کیا کرو گے، کیا اپنے سر پر دے مارو گے، اچھی مصیبت ہے۔ خدا کے لیے یہ مت بھولو بھلکڑ صاحب کہ آج آپ نے بھی غلطی سے روزہ رکھا ہے۔
مرزا : روزہ!! ارے ہاں، بیگم معاف کرنا میں واقعی بھول گیا تھا آپ کی دعا سے۔ خیر سلیم میاں نہیں آئے ابھی تک
بیگم : آیا تو تھا بے چارہ کالج جاتے ہوئے۔
مرزا : کالج! کیا مطلب آپ کی دعا سے کیا وہ آج بھی کالج گئے ہیں۔
بیگم : اچھی مصیبت ہے۔ آج آپ نے روزہ رکھا ہے، کیا اسی خوشی میں سلیم میاں کو کالج نہیں جانا چاہیے تھا۔
مرزا : لیجیے ہو گیا قصّہ تمام۔ اب بیٹھے مرزا اکیلے بیٹھے مکھیاں مارو، مکھیاں سوچا

تھا سلیم میاں آتے تو کچھ دیر شطرنج ہی سے دل بہلاتے آپ کی دعا سے۔

بیگم: اچھی مصیبت ہے اب آپ شطرنج کھیلیں گے۔ لوگ روزہ رکھ کر نیک کام کرتے ہیں اور آپ شہہ بچو، پیر بچو کا وظیفہ پڑھیں گے۔ خود بھی گناہ کے مرتکب ہونگے اور ساتھ میں غریب سلیم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ کم از کم اتنا تو خیال کیجیے کہ وہ ہمارا ہونے والا داماد ہے۔

مرزا: بہت اچھے، ہونے والا داماد ہے اس لیے اس سے بات کرنا چھوڑ دوں بیگم، داماد ہوگا بعد کو پہلے تو وہ آپ کی دعا سے میرا بھتیجہ ہے۔

بیگم: شاید اسی لیے آپ ناجائز فائدہ اٹھا کر اس بیچارے کو گھنٹوں اپنے ساتھ ان فضولیات میں الجھائے رکھتے ہیں۔ اچھی مصیبت ہے۔

مرزا: کیا کہا میں فائدہ اٹھاتا ہوں! قسم لے لو بیگم۔ وہ تو خود سلیم میاں کو آپ کی دعا سے دلچسپی ہے ان چیزوں سے۔

بیگم: دلچسپی تو کیا خاک ہوگی اس بیچارے کو ان لغویات سے البتہ آپ زبردستی اپنی یہ عادتیں اس میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

مرزا: کیا کہا ـــ میں ـــ یعنی ـــ وہ بھی زبردستی۔۔۔ سلیم میاں یعنی ـــ بیگم!!

بیگم: چلائیے مت، اچھی مصیبت ہے اگر کہیں گلا خشک ہو گیا تو ـــ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ آج آپ نے بھی روزہ رکھا ہے۔

مرزا: ارے ہاں بیگم۔ واقعی آج ہم نے بھی روزہ رکھا ہے آپ کی دعا سے۔ خیر شمیم کہاں ہے۔

بیگم: وہ بھی اپنے کالج گئی ہے۔ ویسے سرکار نے ابھی تک آپ کے روزہ رکھنے کی خوشی میں تعطیل عام کا اعلان نہیں کیا سمجھے۔

مرزا: واللہ بیگم کیا بات کہی ہے۔ خیر اب اٹھتا ہوں ذرا نماز وغیرہ پڑھ لوں آپ کی دعا سے۔

(مرزا صاحب پلنگ سے اٹھ جاتے ہیں اور بیگم بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل جاتی ہیں)

دوسرا منظر

وقت : ایک بجے دن

محل وقوع : (مرزا صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق ہیں کہ انگور والے کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ کھڑکی کی طرف بڑھ جاتے ہیں)

مرزا : او، بھائی انگور والے ذرا ادھر تو آنا۔

انگور والا : آیا سرکار (کھڑکی کے پاس پہونچ کر) فرمایئے حضور کون سے انگور دوں، شربتی، مغز والے کہ رس والے

مرزا : میاں یہ انگوروں کی کونسی قسمیں ہیں آپ کی دعا سے ہمیں تو بس انگور چاہئیں، میٹھے انگور۔

انگور والا : انگور ہی لیجیے سرکار میٹھے انگور۔ اتنے میٹھے کہ مصری بھی شرما کر جو بھاگے تو سیدھا مصر کا راستہ لے

مرزا : میاں ڈینگیں تو ایسی مار رہے ہو جیسے یہ انگور جنت کی بیلوں سے توڑ کر لائے ہو۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے، پرسوں بھی تم نے اپنے انگوروں کی شان میں ایسے ہی قصیدے پڑھے تھے لیکن انہیں کھانے کے بعد خدا کی قسم تین دن تک ہم کھانا نہیں کھا سکے تھے آپ کی دعا سے۔

انگور والا : کیا وہ انگور اتنے میٹھے تھے سرکار۔

مرزا : جی نہیں، کھٹے تھے آپ کی دعا سے۔

انگور والا : یہ کیسے ہو سکتا ہے سرکار، کتابوں میں تو لکھا ہے کہ انگور صرف لومڑی کے حق میں کھٹے ہوتے ہیں اور آپ تو . . . .

مرزا : (گڑبڑا کر) آئیں۔ کیا کہا۔

انگور والا : کچھ نہیں سرکار اس بار پہلے چکھ کر دیکھیے، پسند آئیں تو لیجیے۔

مرزا : ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اس بار چکھے بغیر نہیں لوں گا آپ کی دعا سے۔

انگور والا : (ایک انگور بڑھاتے ہوئے) یہ لیجیے۔

مرزا : (انگور چوستے ہوئے) نہیں کوئی خاص نہیں ہے آپ کی دعا سے

انگور والا : (دوسرا انگور بڑھاتے ہوئے) ذرا اسے چکھیے سرکار۔

مرزا : (دوسرا چوستے ہوئے) یہ اس سے کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ بات نہیں آپ کی دعا سے۔

انگور والا : (تیسرا انگور بڑھاتے ہوئے جوش کے ساتھ) یہ لیجیے سرکار انگور ہے دانہ اگر یہ اپنا لوہا نہ منوالے اپنا سر قلم کروا دیجیے۔

مرزا : (حیرت سے) کیا کہا۔

انگور والا : میرا مطلب ہے۔ میرا سر قلم کروا دیجیے سرکار

مرزا : (تیسرا انگور چوستے ہوتے) یہ کچھ جان دار ہے آپ کی دعا سے۔

انگور والا : تو پھر کتنے تول دوں سرکار

مرزا : دو کیلو دیدو۔ آج افطار ذرا زور دار ہونا چاہیے آپ کی دعا سے آج ہم نے بھی روزہ۔ آئیں ۔۔۔ (گڑبڑا کر) ارے میں مر گیا۔ یہ میں نے کیا کیا، او کانے دجّال کے کے ایجنٹ، تو نے میرا روزہ غارت کردیا۔ خدا تجھے غارت کرے۔

بیگم : (شور سن کر بیگم کمرے میں داخل ہوتی ہیں) اچھی مصیبت ہے، کیا ہوا کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔

مرزا : اسی طرح واویلا مچاتے ہوئے) غضب ہوگیا بیگم۔ آسمان ٹوٹ پڑے، زمین پھٹ جائے اور یہ منحوس انگور والا اپنے انگوروں سمیت اس میں دھنس جائے۔ اس کمبخت نے مجھے انگور کھلا دیئے آپ کی دعا سے۔

بیگم : (حیرت سے) کیا کہا ۔۔۔ ؟

انگور والا : (گڑبڑاتے ہوئے) بیگم صاحبہ میں بے قصور ہوں، سرکار نے خود ہی انگور چکھے ہیں۔ مجھ غریب کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ سرکار نے آج روزہ رکھا ہے۔ ابھی پرسوں ہی تو سرکار نے انگور خرید کر کھائے تھے۔

مرزا : ہائے بیگم میں لٹ گیا، تباہ ہوگیا۔ میرا روزہ۔ اب تو افطار میں صرف چند گھنٹے رہ گئے تھے آپ کی دعا سے۔

بیگم : اچھی مصیبت ہے (دلاسا دیتے ہوئے) خدا کے لیے چپ ہو جایئے۔ آپ نے کوئی جان بوجھ کر تو انگور نہیں کھائے۔

مرزا : نہیں بیگم! قسم ہے آپ کے سر عزیزہ کی۔ ہم نے جان بوجھ کر انگور نہیں کھائے آپ کی دعا سے، کیوں بھئی انگور والے۔

انگور والا: بالکل سرکار آپ نے تو بس غلطی سے دو انگور چکھے تھے۔ وہ بھی صرف چکھنے کی حد تک بلکہ وہ تو پیٹ میں بھی نہیں گئے ہوں گے۔

بیگم: اگر ایسی بات ہے تو آپ کا روزہ نہیں ٹوٹا۔

مرزا: سچ بیگم! کیا واقعی ہمارا روزہ نہیں ٹوٹا آپ کی دعا سے۔ سنا بھئی انگور والے، ہمارا روزہ نہیں ٹوٹا

انگور والا: مبارک ہو سرکار۔ اب کہیے کتنے انگور تول دوں۔

مرزا: پھر وہی انگور، چلو بھاگو ادھر سے۔

بیگم: اچھی مصیبت ہے، اب روکا ہے اس بے چارے کو، اتنی دیر سے تو کچھ لے ہی لو۔ دے دو بھئی دو کیلو انگور دے دو۔

انگور والا: (تولتے ہوئے) لیجیے سرکار انگور بے دانہ مصری سے میٹھے، شہد سے لذیذ۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے سرکار کہ یہ کتنے میٹھے ہیں۔

مرزا: آئیں....

(انگور والا انگور دے کر دام کھرے کر کے چلتا بنتا ہے اور بیگم کمرے سے باہر نکل جاتی ہیں)

وقت: تقریباً چار ساڑھے چار بجے شام

محل وقوع: (بیگم تخت پر بیٹھی چاول چن رہی ہیں کہ سلیم داخل ہوتا ہے)

سلیم: آداب عرض چچی جان

بیگم: جیتے رہو سلیم میاں

سلیم: (ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے) چچا جان نظر نہیں آرہے ہیں۔ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں کیا؟

بیگم: جائیں گے کہاں میاں۔ بیٹھے ہوں گے وہاں گھڑیال کے کانٹوں کو گھورتے۔

(اسی لمحہ مرزا صاحب نمودار ہوتے ہیں)

سلیم: آداب عرض چچا جان۔

مرزا: جیتے رہو برخوردار

"سلیم: چچی جان، لگتا ہے آج چچا جان نے واقعی روزہ رکھا ہے۔ ان کا ہر عضو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ میں نے روزہ رکھا ہے۔

مرزا: (گھبرا کر) اماں کیا واقعی۔

بیگم: (طنز سے) بس ایک ہی روزے میں پڑ گئے ٹھنڈے۔

سلیم: اور چچی جان لگتا ہے اس وقت انھیں روزہ بڑے زوروں سے لگ رہا ہے۔

بیگم: اسی وقت کیا میاں انھیں تو سحری کے بعد سے ہی روزہ لگنا شروع ہو گیا ہے۔

مرزا: یہ تو سراسر تہمت ہے بیگم، آپ کی دعا سے۔ آپ تو مذاق فرما رہی ہیں۔

بیگم: ہاں جی۔ اور صبح سے شاید آپ بھی مذاق فرما رہے ہیں۔ کبھی حقے کی طلب تو کبھی پانی کے گھڑوں کا طواف اور دوپہر میں تو سلیم میاں انھوں نے حد ہی کر دی کچی انگور چٹ کر گئے

(اسی پل، آنگن میں مرغ کے کڑکڑانے کی آواز آتی ہے)

بیگم: اچھی مصیبت ہے۔ کریم ذرا دیکھنا تو شاید پیر بھائی کا مرغ دیوار پھاند کر اندر گھس آیا ہے۔

مرزا: (غصہ سے) پیر بھائی کا مرغ! یعنی وہی نابنجار مرغ پھر گھس آیا ہے۔ آج تو بیگم اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا آپ کی دعا سے۔ ذرا آنا تو سلیم میاں۔

(سلیم میاں و مرزا صاحب دونوں مرغ کے پیچھے لپکتے ہیں اور بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے)

مرزا: (ہانپتے ہوئے) آہ... کیا ترکیب سوجھی ہے آپ کی دعا سے سلیم میاں ذرا لیک کر وہ جھانپ تو اٹھا لاؤ۔

(سلیم جھانپ اٹھا لاتا ہے)

مرزا: لے آئے جھانپ اب آہستہ آہستہ آگے بڑھو اس طرف سے۔ ایسے ہی دبے پاؤں۔۔ اور آگے۔ اور ایک قدم۔ بس اب ڈال دو جھانپ۔ ذرا قریب آؤ۔

(سلیم بڑی پھرتی سے جھانپ ڈالتا ہے مگر مرغ کڑکڑاتا ہوا نکل جاتا ہے)

مرزا: (جھلا کر) دست تری کی نکل گیا ناخلف

(اسی لمحہ شمیم کتابیں سینہ سے لگائے گھر میں داخل ہوتی ہے اور مرغ باہر نکل جاتا ہے)

شمیم: (حیرت سے) یہ کیا ہو رہا ہے۔

سلیم: ہو نہیں رہا ہے بلکہ ہو رہی ہے مرغ بازی۔ آج چچا جان پیر بھائی کے مرغ کی ٹانگ سے روزہ کھولنا چاہتے تھے لیکن تم نے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

بیگم: (باورچی خانے سے باہر آکر) اچھی مصیبت ہے۔ اب بس بھی کیجیے بھاگ دوڑ، کہیں گلا خشک ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

مرزا: (ہانپتے ہوئے) اس کم بخت مرغ نے بہت دوڑایا بیگم۔ بہت پیاس لگ رہی ہے آپ کی دعا سے
(سلیم، شمیم ہنستے ہیں اور بیگم مرزا کو اندر لے جاتی ہیں)

(۴)

وقت: ساڑھے چھ بجے شام
(مرزا صاحب اپنے کمرے میں آرام کرسی پر نیم دراز ہیں۔
محل وقوع: چہرے سے نقاہت برس رہی ہے کہ اچانک سائرن سے ملتی جلتی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ دالان کی طرف دوڑتے ہیں)

مرزا: (دوڑتے کے ساتھ چلا بھی رہے ہیں) میں نے کہا بیگم! سائرن کا افطار بج گیا آپ کی دعا سے

شمیم: (حیرت سے) سائرن کا افطار؟

مرزا: میرا مطلب ہے افطار کا سائرن، آپ کی دعا سے۔

بیگم: اچھی مصیبت ہے، کدھر بجا سائرن؟ کب بجا؟ کس نے سنا؟

مرزا: میں نے سنا بیگم اپنے دونوں کانوں سے سنا۔ لاؤ کھجور لاؤ آپ کی دعا سے۔

شمیم: ابا جان کچھ دیر تو صبر کیجیے۔ پہلے ذرا اس بات کی تصدیق ہو جانے دیجیے کہ جو آواز آپ نے سنی تھی وہ واقعی سائرن کی تھی۔

مرزا: (طنز سے) بہت خوب صاحبزادی صاحبہ، گویا آپ ہمارے کانوں کو جھٹلانا چاہتی ہیں۔ اب چاہے کچھ بھی ہو میں تو صبر کرنے والا نہیں آپ کی دعا سے افطار میں دیر کرنے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ میں نے تو بھئی یہ کھول لیا روزہ
(روزہ کھولنے کی نیت کر کے آیت پڑھتے ہیں پھر کھجور کھا کر پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں کہ سائرن کی آواز نہایت ہی تیزی کے ساتھ ابھرتی ہے اور مرزا صاحب ساکت و جامد کسی کھمبے کی طرح اسوقت تک کھڑے رہتے ہیں جبتک کہ آواز بالکل ختم نہیں ہو جاتی)

شمیم: کچھ سنا آپ نے، یہ تھی سائرن کی آواز، اب ہوا ہے افطار کا وقت

مرزا: تو پھر وہ آواز جو آپ کی دعا سے ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے سنی تھی۔ (مرزا صاحب کا جملہ نامکمل رہ جاتا ہے کیونکہ پھر وہی آواز جس پر انہیں سائرن کا دھوکا ہوا تھا پھر ابھرتی ہے۔ شمیم دوڑ کر کھڑکی کے پاس پہونچ جاتی ہے)

شمیم: (کھڑکی کے پاس سے) تو فصیح بی نانی کا نواسہ ہے انور جو دس پیسے والا باجہ (بھونپو) بجا رہا ہے۔

مرزا: کیا کہا دس پیسے والا بھونپو، آپ کی دعا سے۔ یعنی ہمارا روزہ ——

بیگم: دس پیسے والے باجے کی نذر ہو گیا آپ کی دعا سے۔

مرزا: ہائے میرا روزہ۔ میرا روزہ بیگم (مرزا صاحب واویلا مچاتے ہیں اور بیگم و شمیم قہقہے لگاتی ہیں)

گدھے کے سینگ

کردار :

- مولانا
- بڑے خاں } دونوں ہی ساٹھے پاٹھے
- بیگم مولانا : مولانا کی تیسری اور نئی نئی بیوی
- اور ایک عدد مہمانِ خصوصی (صیغۂ راز میں)
- مقام: گھر کا آنگن   وقت: رات کی ابتدائی ساعتیں

(مولانا بن ٹھن کر کمرے میں سے طلوع ہوتے ہیں)

بیگم : اوہو! نظر بد کو سوں دور، میں نے کہا سرکار آئی رات گئے کدھر کے ارادے ہیں؟

مولانا : (چونک کر) آئیں، یہ افطار کا گولہ آپ کی قسم بے وقت کیسے چھوٹا۔

بیگم : اچھا تو گویا میری آواز اس قدر دھماکے دار ہے۔

مولانا : (گڑبڑا کر) آئیں یعنی کہ آپ کی آواز تھی یہ آپ کی قسم.....!

بیگم : (چڑتے ہوئے لہجے میں) جی نہیں سرکار! افطار کا گولہ تھا بقول آپ کے...

مولانا : ارے نہیں بیگم، میں کہیں آپ کی قسم ایسی گستاخی کر سکتا ہوں آپ کی شانِ عالی شان میں

بیگم : چھوڑیئے یہ چاپلوسی اور یہ بتایئے کہ آپ کے چہرے پر تھرکتی یہ مسکراہٹ جو چولہے سے اترے گرم گرم توے کے پیندے پر رقص کرتی چنگاریوں سے مشابہ ہے۔ شاید عید کا چاند نظر آ جانے کی اطلاع کا ردِّ عمل ہے۔؟

مولانا : سبحان اللہ بیگم! بات کر رہی ہو آپ کی قسم یا رویت ہلال کمیٹی کی رپورٹ پڑھ رہی ہو....

بیگم : میں نے تو صرف رپورٹ پڑھی ہے حضور، آپ تو سر بہ سر چودھویں کا چاند بنے ہوئے ہیں.....

مولانا : واللہ بیگم، یہ تو آپ کی نظر کا کمال ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے آپ کی قسم کہ چودھویں کا چاند دراصل آپ کا روئے مبارک ہے (پھر گنگناہٹ)

چودھویں کا چاند ہو آپ کی قسم یا آفتاب ہو

بیگم: (مداخلت کرتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے حضور نے ابھی تک آئینہ نہیں دیکھا۔

مولانا: (گھبرا کر) کیا ۔۔۔ کیا مطلب؟

بیگم: مطلب صاف ہے۔ اگر حضور آئینہ دیکھ لیتے تو مجھ نگوڑی پر چودھویں کا چاند ہونے کا الزام نہ دھرتے ۔۔۔۔

مولانا: یہ کیسی پہیلیاں بوجھوا رہی ہو آپ کی قسم، بخدا میں کچھ سمجھا نہیں ۔۔

بیگم: ہائے ہائے قربان جایئے آپ کی اس سادگی پہ، اڑتے ہیں اور ہاتھ میں چاقو بھی نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں، سرکار یہ خضاب سے چمکتے بال یہ حنائی ریش مبارک، یہ شادی کی زرق برق اچکن، جیب سے جھانکتا ہوا پانوں کا بٹوہ، یہ افیون کی ڈبیا، ہاتھ میں پیراکی یہ چھڑی، یہ لال لال موزے اور یہ زری والی سلیم شاہی جوتیاں آخر کس کے قتل کا سامان ہے۔ کیا بوڑھے منہ مہاسے چھیلا بننے میری "سوت" کو بیاہنے جا رہے ہیں حضور۔

مولانا: واللہ بیگم آپ بھی کیا مذاق کرتی ہیں آپ کی قسم ہی ہی ہی ۔۔ (ریشہ خطمی ہوتے ہوئے) چھیلا اور میں ہی ہی ہی۔

بیگم: زیادہ منہ مت پھاڑیئے ورنہ نقلی دانتوں کا چوکھٹہ گر پڑے گا، خاصا ڈھیلا ہو چکا ہے۔

مولانا: آئیں ۔ چوکھٹہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ سارا مزہ کرکرا کر دیا آپ کی قسم! میں پوچھتا ہوں کیا آپ کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی سدا یوں ہی جوان رہیں گی آپ کی قسم زبان ہلانے سے پہلے سوچ لیا کیجیے۔ ہمیں بوڑھا کہنے والا خود بوڑھا (پھر سینہ ٹھوک کر) بڑھاپا ابھی کوسوں دور ہے ہم سے آپ کی ق ۔۔۔ ق ۔۔۔ ق ۔۔۔ سم (کھانسی کا دورہ)

بیگم: (گھبرا کر مولانا کی پیٹھ سہلاتے ہوئے) میری ایسی مجال کہاں سرکار کہ آپ کو بوڑھا کہوں، بوڑھے ہوں آپ کے دشمن، ابھی تو آپ کے دودھ کے دانت بھی نہیں گرے۔

مولانا: ہی ہی ہی۔ پھر مذاق واللہ آپ کی قسم طبیعت ہری ہو گئی بیگم!

بیگم: وہ تو پل بھر میں "نیلی" بھی ہو جائے گی، آپ کی طبیعت کا کیا اعتبار، یہ بتائیے کہ چھیل چھبیلے راجہ بن کر کسی کا دین و ایمان غارت کرنے جا رہے ہیں سرکار ۔۔۔

مولانا: ہے ایک چھیل چھبیلی نار آپ کی قسم ۔۔۔

بیگم : (غصے سے) گلا نہ گھونٹ دوں ڈائن کا۔

مولانا : ارے ارے بیگم آپ تو بھتے سے اکھڑ گئیں، آپ کی قسم غصہ تھوک دیجیے۔

بیگم : (روٹھے ہوئے لہجے میں) پہلے غصہ دلواتے ہیں پھر تھوکنے کو کہتے ہیں۔

مولانا : بیگم غصہ اس لیے دلواتا ہوں آپ کی قسم کہ غصے میں آپ اور بھی حسین نظر آتی ہیں۔

بیگم : (شرارتی لہجے میں) بغیر چشمے کے ....؟

مولانا : بہت شرارتی ہو آپ کی قسم ہی ہی ہی .... ویسے سچ پوچھو تو آپ کی قسم ہم خود گھائل ہیں آپ کے تیر نظر کے، اب کسی اور کے تیر نظر کی یہاں گنجائش کہاں ہے۔ آپ کے غضب کی کمان سے چھوٹے ہوئے تھر کے ہر تیر میں جو لذت ہے وہ آپ کی قسم مرزا غالب کی ڈومنی کے تیر نظر میں بھی نہ رہی ہوگی ....

بیگم : (حیرت اور غصے سے) ڈومنی .... یعنی کہ میرا موازنہ ایک دو ٹکے کی ڈومنی سے..

مولانا : (گڑبڑا کر مداخلت کرتے ہوئے) میرا مطلب یہ نہیں تھا آپ کی قسم میں تو.... وہ تو .... یعنی کہ .... دراصل

بیگم : میں خوب سمجھتی ہوں آپ کا مطلب بڑے آئے مطلب سمجھانے والے — !!

مولانا : اماں آپ کی قسم بیگم میرا مطلب ہرگز وہ نہیں تھا، میری یہ مجال کہ آپ کی اور آپ کے خاندان کی تحقیر کروں توبہ توبہ (توبہ کرتے ہوئے) لیجیے کان پکڑتا ہوں آپ کی قسم ... (کان پکڑتے ہیں) یہ لیجیے۔ ناک بھی رگڑتا ہوں ... (سامنے والی دیوار کی طرف ناک رگڑنے کے لیے بڑھتے ہیں)

بیگم (مولانا کو روکتے ہوئے) جایئے معاف کیا۔

مولانا : (سر تسلیم خم کرتے ہوئے) شکریہ بیگم آپ کی دریا دلی سے خاکسار کو آپ کی قسم یہی امید تھی، اسی خوشی میں فرمایئے کہ عید کے اس پرمسرت موقع پر آپ کو تحفے میں کیا چاہیے ....

بیگم : اچھا تو گویا اس قدر بن ٹھن کر حضور کی سواری مینا بازار کی رونق دیکھنے جارہی ہے۔

مولانا : جا تو رہا ہوں بیگم لیکن آپ کی قسم اس میں میری کسی خواہش کا دخل نہیں۔ بلکہ بڑے خان صاحب کا اصرار ہے ورنہ آپ تو جانتی ہیں کہ میں بھیڑ بھاڑ سے آپ کی قسم کس قدر گھبراتا ہوں....

بیگم: (طنزیہ لہجے میں) جی ہاں، جی ہاں، تب ہی تو میری اکثر سہیلیوں نے میلوں ٹھیلوں کے موقع پر آپ کو ہمیشہ برقع پوش مخلوق کے آس پاس ہی منڈلاتے دیکھا ہے۔

مولانا: (گڑبڑا کر) آئیں ــــ ں ــــ ں ــــ!!

بیگم: بالکل چوہے کی طرح آڑی باڑی پھرتے نظر آتے ہیں آپ ....

مولانا: (غصے اور خفت سے) چوہے کی طرح .... یعنی کہ مایہ دولت اور آپ کی قسم ــ چو ــ چو ــــ چوہا ....

بیگم: لیکن میں نے کہا سرکار اس بار ذرا سنبھل کے سنا ہے اس مرتبہ پولیس بلا لحاظ عمر خواتین کی طرف تاک جھانک کرنے والوں کو دفعہ ستر' سی (c) عرف چھیڑ چھاڑ کے تحت گرفتار کرنے والی ہے۔

مولانا: گڑبڑاتے ہوئے) پولیس ــ گرفتار ــ دفعہ ستر' سی' .... لاحول ولا قوۃ، مجھے دیکھئے آپ کی قسم میری عمر اور میرا شان و دبدبہ دیکھئے بیگم، آپ بھی بعض اوقات حد کر دیتی ہیں آپ کی قسم، خیر میں چلتا ہوں۔

بیگم: جائیے حضور! آپ کو خدا کے سپرد کیا۔

مولانا: دو قدم اٹھانے کے بعد رک کر) مگر بیگم وہ تحفہ والی بات تو آپ کی قسم رہ گئی۔

بیگم: اگر کچھ لانے پر مصر ہی ہیں آپ تو سنئے حضور کی سواری ٹیک سے پہلے تو لوٹے گی نہیں۔ اسلئے آتے ہوئے چار لیٹر خالص دودھ لیتے آئیے ....!

مولانا: خالص دودھ ــ!! اور وہ بھی آپ کی قسم اس ملاوٹی دور میں بیگم' ان دنوں خالص بھینس کا ملنا محال ہے۔ دودھ کہاں سے خالص ملے گا۔ آپ کی قسم عید کی صبح آپ کی یہ فرمائش جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

بیگم: آپ بھی تو کسی فرہاد سے کم نہیں، یہ پہاڑ آسانی سے کاٹ سکتے ہیں۔

مولانا: (ریشہ خطمی ہوتے ہوئے) ہی ہی ہی .... کیوں کانٹوں میں گھسیٹتی ہو آپ کی قسم، ہاں اگر آپ کو شیریں کھلوانے کا شوق ہوا ہے تو لائیے برتن ....

بیگم: ابھی لائی .... (باورچی خانے کی طرف جاتی ہیں)

مولانا: (خود کلامی کرتے ہوئے) واللہ بیگم کے ذوق نظر اور دور بینی کا جواب نہیں (ٹھنڈی سانس لے کے ساتھ) کاش بیگم نے ہماری کڑیل جوانی کا زمانہ دیکھا ہوتا آپ کی قسم

ہائے ہائے..... (جھٹکے کے ساتھ)

(بیگم برتن سمیت لوٹتی ہے)

بیگم: (برتن حوالے کرتے ہوئے) خیال رہے، مینا بازار کے بھیڑ بھڑکے" میں کوئی اچکا اسے اچک نہ لے۔؟

مولانا: (جھلا کر) اماں کیا فرماتی ہیں۔ آپ، کسی مائی کے لال نے آپ کی قسم اتنا دودھ پیا ہے اپنی ماں کا جو ہم سے لوہا لے سکے...

بیگم: (تصحیح کرتے ہوئے) میں لوہے کی نہیں دودھ کے برتن کی بات کر رہی ہوں اصلی اسٹین لیس اسٹیل (stainless steel) کا ہے، پورے تیس روپے میں خریدا ہے...

مولانا: (جھلا کر) گویا آپ کو تیس روپے کے برتن کی فکر ہے آپ کی قسم تیس لاکھ کے آدمی کی پرواہ نہیں۔

بیگم: (شرارتی لہجے میں) آپ کی فکر کیوں ہونے لگی، آپ کو تو پاک پروردگار کی امان میں دے دیا ہے....

مولانا: (محجوب لہجے میں) بہت شرارتی ہوگئی ہو آپ کی قسم، خیر میں چلتا ہوں.... خدا حافظ۔

بیگم: خدا حافظ و ناصر حضور..

۲

گلی کا منظر

مولانا: (چلتے ہوئے خود کلامی میں مصروف) گھر کی حد تک بیوی کی جی حضوری ٹھیک ہے بلکہ ضروری ہے آپ کی قسم لیکن گھر سے باہر مرد آدمی کو بہر حال "مرد بچہ" نظر آنا چاہیئے یہ نہیں کہ اندر باہر ہر جگہ زن مرید بنے ہوئے ہیں لاحول ولا قوۃ۔ میرے ہاتھ میں دودھ کا یہ برتن دیکھ کر پتہ نہیں بڑے خاں صاحب کیا خیال فرمائیں گے آپ کی قسم کوئی ترکیب ضرور لڑانی پڑے گی.... (سوچتے ہوئے) ٹھیک ہے میں اپنے دونوں

ہاتھ برتن سمیت پشت کی طرف کر لیتا ہوں، آپ کی قسم جیسے گل گشت کے لیے نکلا ہوں ...... واہ - واہ - کیا بروقت بات سوجھی ہے (ابھی اسے دوسری جانب سے بڑے خاں صاحب آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں) لیجیئے بڑے خاں صاحب بھی ادھر کو چلے آرہے ہیں - (پھر ہانک لگا کر) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

بڑے خاں: (بہ انداز قرات) وعلیکم السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ ....

مولانا: (تحیر سے) یا حیرت یا خان صاحب - یہ کیا بغیر ہاتھ اٹھائے سلام آپ کی قسم، آپ کے دست مبارک پشت کی طرف کیوں ہیں - ؟

بڑے خاں: آپ کی طرف بھی تو دشمن کے منہ میں خاک کچھ ایسا ہی معاملہ نظر آتا ہے - !

مولانا: اماں اپنے ہاتھ تو ایسے ہی پشت کی طرف کر لیے ہیں میں نے آپ کی قسم، لیکن آپ کی طرف کوئی بات ضرور ہے جس کی پردہ داری ہے ..

خان صاحب: (اپنے ہاتھ آگے کر دیتے ہیں ایک ہاتھ میں برتن بھی ہے) اماں مولانا اب آپ سے دشمن کے منہ میں خاک کیسی پردہ داری ... للہ اب آپ بھی اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیجیے ....

مولانا: (بڑے خاں کے ہاتھ میں بھی بالکل اسی سائز کا برتن دیکھ کر خوشی سے اچھلتے ہوئے) ہی ہی ہی ... بھئی خاں صاحب، واللہ مزہ آگیا آپ کی قسم (پھر اپنے برتن کو خاں صاحب کے برتن سے ٹکراتے ہوئے) گویا ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں -

بڑے خاں: بلاشبہ مولانا ... ہم نہ صرف ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں بلکہ دشمن کے منھ میں خاک ہم برتن بھی ہیں واللہ (اس بات پر دونوں پھر اپنے برتن ٹکراتے ہیں)

مولانا: یہ تو گرہستی کی کشتی ہے خاں صاحب جس کا ایک عدد چپو آپ کی قسم ہمیشہ مرد آدمی کے ہاتھ میں ہوتا ہے کبھی سودے سلف کے جھولے کی شکل میں تو کبھی آپ کی قسم دودھ کے برتن یا تیل کے کنستر کے روپ میں۔

بڑے خاں: واللہ مولانا، کیا بات کہی ہے، دشمن کے منہ میں خاک سولہ آنے فٹ ....

مولانا: ویسے خان صاحب آپ تو جانتے ہی ہیں کہ عید کے دن آپ کی قسم خالص دودھ کہیں نہیں ملتا اور بچارے بچے ادھر ادھر بھٹک بھٹکا کر خواہ مخواہ ہلکان ہو جاتے ہیں، اسی لیے ہم نے سوچا کہ لاؤ اس بار آپ کی قسم دودھ ہم لاتے ہیں،

دیکھتے ہیں، خالص دودھ کیسے نہیں ملتا، اجی آپ کی قسم نہریں بہا دیں گے دودھ کی۔ نہریں۔۔۔

بڑے خاں: واللہ مولانا! دشمن کے منہ میں خاک آج پھر ہماری اور آپ کی سوچ ٹکرا گئی ادھر بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔

مولانا: آپ سچے مسلمان ہوں گے تو ضرور یقین کریں گے، بیگم نے لاکھ روکا قسمیں ڈالیں، دہائیاں دیں واللہ برتن تک ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی آپ کی قسم، لیکن ہم بھی دھن کے پکے ٹھہرے۔

بڑے خاں: اماں ادھر بھی دشمن کے منہ میں خاک بس یہی حال ہے جو دھن سر میں سما گئی سما گئی حالانکہ اس ارادے کو بھانپتے ہی ہماری پٹھانی نے سارے برتن چھپا دیئے مگر دشمن کے منہ میں خاک، ہم بھی پٹھان ٹھہرے برتن لے کر نکل ہی پڑے۔ ہی ہی ہی۔

مولانا: ہی ہی ہی۔

بڑے خاں: کیا خیال ہے اسی بات پر دشمن کے منہ میں خاک "چنیا بیگم" کا ایک دور ہو جائے۔

مولانا: اماں نیکی اور پوچھ پوچھ، آپ کی قسم۔۔۔ آئیے یہیں گھوڑو خاں کے چبوترے پر جماتے ہیں محفل۔۔۔

بڑے خاں: چلیے بسم اللہ۔

(چبوترے پر بیٹھ کر افیون کی ڈبیہ نکالتے ہیں اور پھر شغل فرماتے ہیں)

مولانا: (ہلکی سی ترنگ کے ساتھ) بھئی خان صاحب دودھ تو ہم آپ کی قسم چٹکی بجاتے ہیں حاصل کر لیں گے۔ لیکن خالص اور نخالص میں تمیز کرنا ٹیڑھی کھیر ہے نظر اس قدر کم زور ہو گئی ہے آپ کی قسم کہ۔۔۔

خان صاحب: بھئی مولانا، ادھر بھی دشمن کے منہ میں خاک کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔

مولانا: خیر یہ مسئلہ تو بعد کا ہے آپ کی قسم! پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دودھ آخر ملتا کہاں ہے؟

خان صاحب: جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، دشمن کے منہ میں خاک دودھ کسی راشن کی دکان پر نہیں ملتا۔۔۔!!

مولانا: اتنا تو میں بھی جانتا ہوں آپ کی قسم کہ دودھ وہاں ملتا ہے جہاں بھینس ہوتی ہے۔

خان صاحب: اور بھینس، دشمن کے منہ میں خاک کہاں پائی جاتی ہے

مولانا: جہاں آپ کی قسم دودھ ملتا ہے۔!

خان صاحب: تو ہمیں دشمن کے منہ میں خاک پہلے بھینس تلاش کرنی ہوگی۔!

مولانا: بالکل آپ کی قسم ——!

خان صاحب: تو پھر ایسا کیجئے مولانا، آپ زور زور سے دشمن کے منہ میں خاک چلائیے، سُنا ہے، ایک جانور کی آواز سن کر دوسرا جانور جواباً آواز ضرور دیتا ہے۔

مولانا: یقیناً تب ہی تو آپ کی قسم میری ہر پکار کا آپ نے ہمیشہ جواب دیا ہے ——!

خان صاحب: (جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ) ہی ہی ہی .... تو پھر ایسا کرتے ہیں دونوں مل کر دشمن کے منہ میں خاک چلاتے ہیں

مولانا: بات کچھ جمی نہیں! آپ کی آواز چونکہ بڑی گرجدار بلکہ پٹھانی ہے آپ کی قسم، ذرا آپ ہی آواز دے کر دیکھئے۔ مجھے پورا یقین ہے اگر آس پاس کہیں بھینس ہوئی تو آپ کی قسم ضرور جواب دے گی۔!

خان صاحب: چلیئے مولانا! آپ کی خاطر دشمن کے منہ میں خاک یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔ (پھر عجیب طرح کے منہ بناتے ہوئے بھینس کی طرح ڈکراتے ہیں)

مولانا: بھئی خان صاحب واللہ آپ کی قسم کیا غضب ناک آواز نکالی ہے۔ یوں لگا، جیسے کوئی جنگلی بھینسا آگھسا ہو آپ کی قسم.......

خان صاحب: "یہ تو بھینسا نوازی" ہے آپ کی مولانا ورنہ دشمن کے منہ میں خاک، ہمیں کیا اور میری آواز کیا.......

مولانا: اماں، نہیں خان صاحب! ہیرے کی قدر آپ کی قسم جوہری سے پوچھئے! کیا کمال کے سُر ہیں آپ کے گلے میں۔ .. خیر، آپ نے بھینس کو آواز تو دے لی اب ایسا کرتے کرتے ہیں، سامنے "مرکی نالے" میں اتر جاتے ہیں آپ کی قسم، دیکھئے وہاں دور دور تک ہری ہری گھاس پھیلی ہوئی ہے، بھینس نے بھی یقیناً آپ کی آواز سن لی ہوگی خود ہی ہمیں تلاش کرتی ہوئی آجائے گی آپ کی قسم۔

خان صاحب: واللہ کیا دور کی کوڑی لائے ہیں آپ، دشمن کے منہ میں خاک چلیئے۔

(دونوں آگے پیچھے سنبھلے، لڑکھڑاتے مرکی نالے میں اترتے ہیں۔ چھنیا بیگم

کا جادو پوری طرح سر چڑھ چکا ہے بلکہ اب بول بھی رہا ہے۔ جیسے ہی نالے کے کنارے پہنچتے ہیں دوسری طرف ایک چوپایہ، نظر آتا ہے ...)

مولانا: (خوشی سے اچھل کر) وہ مارا خاں صاحب! آپ کی قسم وہ رہی منزل

خان صاحب: اماں دشمن کے منہ میں خاک، چوپایہ تو نظر آتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ بھینس ہی ہو۔!

مولانا: اماں ہاتھ کنگن کو آپ کی قسم آرسی کیا، ابھی تصدیق کیے لیتے ہیں، پہلے یہ بتایئے کہ بھینس کی پہچان کیا ہے۔؟

خاں صاحب: دشمن کے منھ میں خاک، اس کے سینگ ہوتے ہیں..!

مولانا: اماں سینگ تو آپ کی قسم گدھے کے ہوتے ہیں، وہ محاورہ غالبؔ آپ بھول رہے ہیں گدھے کے سر سے سینگ غائب ہونا۔!

خاں صاحب: محاورے تو دشمن کے منہ میں خاک بھینس پر بھی بہت ہیں۔!

مولانا: مثلاً، آپ کی قسم۔!

خان صاحب: مثلاً عقل بڑی یا دشمن کے منہ میں خاک بھینس ...!

مولانا: آپ کا کیا خیال ہے، عقل بڑی یا آپ کی قسم بھینس۔؟

خان صاحب: سو فیصد بھینس مولانا! کیوں کہ دشمن کے منہ میں خاک بھینس دودھ دیتی ہے اور عقل کیا دیتی ہے، کچھ بھی نہیں۔!

مولانا: واللہ! میں آپ کے اس خیال سے سو فیصدی متفق ہوں آپ کی قسم۔!

خان صاحب: ایک محاورہ اور سنیئے دشمن کے منھ میں خاک چیل اڑی یا بھینس۔!

مولانا: یہ محاورہ تو آپ نے یقیناً سنا ہو گا کہ بھینس کے آگے آپ کی قسم بین بجانا——!!

خان صاحب: واللہ! بیسیوں دفعہ سنا ہے بلکہ ایک بار دشمن کے منہ میں خاک بین بجانے کی حماقت بھی کی ہے — جی ہاں۔

مولانا: ارے خان صاحب! وہ بھینس جو ابھی سامنے ہی آپ کی قسم چر رہی تھی، کہاں گئی۔؟

خان صاحب: (دوسری طرف غور سے دیکھتے ہوئے) ارے واقعی وہ تو دشمن کے

منھ میں خاک غائب ہوگئی ۔۔۔!

مولانا: (غصے سے) غائب ہوگئی ۔۔۔! اتنی مشکل سے تو ایک بھینس نظر آئی تھی آپ کی قسم اور وہ بھی آپ کی وجہ سے غائب ہوگئی۔

خان صاحب: (حیرت سے) میری وجہ سے یعنی کہ دشمن کے منہ میں خاک۔

مولانا: جی ہاں، صرف آپ کی وجہ سے آپ کی قسم۔ آپ نے ضرور اُسے ڈنڈا مارا ہوگا۔

خان صاحب: (جھلا کر) ڈنڈا ۔۔۔! یعنی کہ دشمن کے منہ میں خاک میں نے ڈنڈا مارا! یہ سراسر بہتان ہے تہمت ہے۔ میں اسے ڈنڈا مار ہی نہیں سکتا۔ دشمن کے منہ میں خاک، ڈنڈا تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ بس اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے میری بھینس کو ڈنڈا مارا۔

مولانا: (جھنجھلا کر) یعنی الٹا چور اور آپ کی قسم بھینس کو، کوتوال۔ یعنی کہ کوتوال کو بھینس میرا مطلب ہے ۔۔۔

خان صاحب: (چونک کر) اماں مولانا ۔۔۔! وہ دیکھیے، دشمن کے منہ میں خاک وہ رہی ظالم فساد کی جڑ۔

مولانا: (خفت سے) کم بخت نے ہمیں آپس میں لڑوا ہی دیا تھا آپ کی قسم! آیئے اس سے پہلے کہ یہ پھر کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو جائے۔ ہم اسے گرفتار کرلیں، آپ کی قسم ۔۔۔

خان صاحب: میں بالکل تیار ہوں۔ آپ اس طرف سے آیئے۔ اور میں دشمن کے منھ میں خاک، ادھر سے دھاوا بولتا ہوں۔

(دونوں دبے پاؤں، دو سمتوں سے چوپائے کی طرف بڑھتے ہیں)۔

مولانا: چوپائے کی پچھلی ٹانگوں کے قریب پہنچ کر دھیمے سے) اماں خان صاحب ڈالیے رسی آپ کی قسم ۔۔۔

خان صاحب: (حیرت سے) رسّی! اماں مولانا، دشمن کے منہ میں خاک ہم تو رسّی لانا ہی بھول گئے ۔۔۔؟

مولانا: (سرگوشیانہ لہجے میں) تو کیا ہوا ۔۔۔ آپ کا یہ چھ ہاتھ کا رومال آپ کی قسم کب کام آئے گا، کھولیئے اسے اور بنایئے رسی ۔۔۔!

خان صاحب: بہت خوب! واللہ جواب نہیں آپ کے ذہن رسا کا — یہ لیجیے دشمن کے منہ میں خاک یہ کھولا رومال اور یہ گھمایا۔

(رومال کو پھندے کی شکل میں گھما کر چوپائے کی طرف اچھالتے ہیں، وہ بدک کر دولتی جھاڑتا ہے جس کی صرف ہوا کی زد میں آکر مولانا گڑبڑا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں چاروں شانے چت ہو جاتے ہیں)

مولانا: (واویلا مچاتے ہوئے) ارے، ارے رے رے رے۔ مار ڈالا کم بخت نے کیسی دولتی جھاڑی ہے۔ آپ کی قسم سارے انجر پنجر برابر ہو گئے ہائے..... ہائے..... ہوئے۔

خان صاحب: (مولانا کو اٹھاتے ہوئے) کوئی زیادہ چوٹ تو نہیں آئی مولانا' بڑی جان دار معلوم ہوتی ہے سسری دودھ بھی سیروں دیتی ہوگی۔ یوں سمجھے دشمن کے منہ میں خاک، بھینس نہیں پورا ڈیری فارم ہے، ڈیری فارم۔

مولانا: (کپڑے جھاڑتے ہوئے) یہ بات ہے تو پھر آپ کی قسم جانے نہ پائے کم بخت۔ بڑھیے آگے۔

(اس بار خان صاحب چوپائے کی گردن میں پھندا ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چوپایہ کچھ دیر تک زور دکھاتا ہے پھر ہار کر گردن ڈال دیتا ہے)

خان صاحب: (کامیابی کے نشے میں) مار دیا پاپڑ والے کو' ذرا ملاحظہ کیجیے دشمن کے منہ میں خاک کس طرح گردن جھکا دی ہے ظالم نے جیسے ہم ہی اس کے اصلی مالک ہیں۔

مولانا: (رومال کے پھندے کے دوسرے سرے کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے) کیوں نہیں خان صاحب! آخر اسے زیر بھی تو ہم نے ہی کیا ہے آپ کی قسم۔ چلیے صبح ہونے کو ہے۔ اسے گھر لے چلیں۔ (پھر اپنے ہاتھ والا سرا قوت سے کھینچنے لگتے ہیں)

خان صاحب: (روکتے ہوئے) ایک منٹ مولانا... پہلے دشمن کے منہ میں خاک یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ بھینس جائے گی کس کے گھر۔

مولانا: (حیرت سے) کس... کے گھر جائے گی... کیا مطلب ہے آپ کی قسم! اماں بندہ پرور، بھینس خاکسار کے گھر جائے گی—

خان صاحب: (طنزیہ لہجے میں) بہت خوب اور گویا ہم پرلے درجے کے احمق ہیں، اتنی دیر تک دشمن کے منہ میں خاک محض اس لیے بھاگ دوڑ کی ہے کہ آپ اکیلے سالم بھینس اپنے گھر ہنکا لے جائیں اور ہم دشمن کے منہ میں خاک ہونقوں کی طرح منہ تکتے رہ جائیں۔

مولانا: اماں، ہتھے سے کیوں اکھڑتے ہو خان صاحب! بھینس پر آپ کی قسم آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ناچیز کا۔

خان صاحب: یعنی دشمن کے منہ میں خاک ففٹی، ففٹی۔

مولانا: (ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے) بالکل — اب فرمائیے آپ کی قسم کون سا حصہ چاہیے، اگلا ففٹی پرسینٹ یا پچھلا۔

خان صاحب (سوچتے ہوئے) اگلے ففٹی پرسینٹ میں تو دشمن کے منہ میں خاک بھینس کے سینگ اور اگلے دو پیر آئیں گے .... مجھے تو پچھلا ففٹی پرسینٹ چاہیئے، جی ہاں —

مولانا: (طنز سے) واہ واہ۔ واہ واہ۔ خان صاحب، یہ تو وہی بات ہوئی آپ کی قسم، میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا، تھو تھو۔ دودھ دہی کھا کر دودھوں نہائیں اور پو توں پھلیں آپ اور بھینس کے سینگ کھائیں ہم آپ کی قسم۔

خان صاحب: (جھلا کر) تو پھر فیصلہ کس طرح ہو، دشمن کے منہ میں خاک —؟

مولانا: (چٹکی بجا کر اچھلتے ہوئے) آگئی ترکیب آپ کی قسم! بھینس دو مرتبہ دودھ دیتی ہے، ایک مرتبہ صبح ایک مرتبہ شام، ایسا کرتے ہیں کہ صبح کے دودھ پر آپ کی قسم ہمارا حق ہوگا اور شام کے دودھ کے مالک آپ بلا شرکت غیرے۔

خان صاحب: منظور — ملائیے دشمن کے منہ میں ہاتھ۔

(دونوں ہاتھ ملاتے ہیں)

(اسٹیج کی روشنیاں گل ہو جاتی ہیں۔ پھر کچھ منٹوں کے بعد دوبارہ روشنی ہوتی ہے۔ منظر بدل چکا ہے، مولانا اور خان صاحب چوپائے سمیت مولانا کے گھر کے دروازے پر کھڑے دروازہ تھپتھپا رہے ہیں —)

مولانا: (دروازہ پیٹتے ہوئے) بیگم دروازہ کھولیے آپ کی قسم! دیکھیے، ہم کیا تحفہ لائے ہیں آپ کے لیے۔

خان صاحب: (پرجوش لہجے میں) واللہ، بھابی دیکھیں گی تو دشمن کے منہ میں خاک خوشی سے اچھل پڑیں گی۔ (دروازہ کھلتا ہے)

بیگم: دودھ لے آئے آپ لوگ ——؟

مولانا: (فخریہ لہجے میں) آپ دودھ کہتی ہیں بیگم! اماں! ہم تو آپ کی قسم بھینس لے آئے ہیں۔ بھینس۔

بیگم: (حیرت سے) بھینس ....؟

خان صاحب: جی ہاں بھابی! یہ رہی دشمن کے منہ میں خاک۔

بیگم: (چوپائے کو دیکھ کر ہنستی ہیں) لگتا ہے آپ دونوں کی عقل چنیا بیگم نے چوپٹ کر دی ہے ذرا غور سے دیکھیے جسے آپ بھینس سمجھ رہے ہیں وہ گدھا ہے گدھا۔

مولانا: (حیرت سے) کیا کہا آپ کی قسم

خان صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) دشمن کے منہ میں خاک، گدھا.....!!

مولانا: مگر خان صاحب، ہم نے تو آپ کی قسم بھینس کے گلے میں رومال ڈالا تھا۔

خان صاحب: میں نے اپنے ہاتھوں سے دشمن کے منہ میں خاک پھندا ڈالا تھا۔

مولانا: اماں کہیں راستے میں آپ کی قسم بھینس، گدھا تو نہیں بن گئی۔

(اسی لمحے رومال کے دونوں سروں کی گرفت کو کمزور پا کر گدھا جھٹکے سے اچھلتا ہے اور رینکتا ہوا بھاگ نکلتا ہے۔ مولانا اور خان صاحب جھٹکے سے اچھلتے ہیں۔۔۔ مولانا تو کچھ دور جا کر لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں۔ لیکن خان صاحب اپنے رومال کی خاطر گدھے کے ساتھ دوڑے جاتے ہیں)

مولانا: (چلاتے ہوئے) اماں، جانے دیجیے خاں صاحب۔ لوٹ آئیے آپ کی قسم۔

خان صاحب: (دوڑتے ہوئے) دشمن کے منہ میں خاک، میرا رومال مولانا ...

(بیگم کی ہنسی)

●●

صحّت مند بیمار

کردار :

- ڈاکٹر مس شفا خانم
  عمر، صحت، صورت شکل
  ہر اعتبار سے مسیحا
- صحت مند بیمار
  عمر، صحت، صورت شکل
  ہر اعتبار سے صحت مند بیمار
- جگہ : شہر کی صاف ستھری ڈسپنسری
- آب و ہوا : دواؤں کی بُو سے معطر
- وقت : پانچ اور چھ بجے کے درمیان

ڈاکٹر صاحبہ کسی طبی رسالے کے مطالعے میں مصروف ہیں، مریضوں کی آمد کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا۔ عموماً سات بجے کے لگ بھگ یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کیوں کہ بڑے ڈاکٹر صاحب سات بجے ہی تشریف لاتے ہیں۔ فرصت کے ان لمحات میں ڈاکٹر صاحبہ بے فکری سے شغل مطالعہ فرما رہی ہیں کہ اچانک ایک صحت مند بیمار دروازے پر نمودار ہوتا ہے۔

بیمار: آداب عرض! کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں ——؟

مس شفا: آداب عرض! آیئے تشریف لایئے (کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تشریف رکھیے۔

بیمار: (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) لیجیے حسب حکم تشریف بھی رکھ دی۔

مس شفا: حکم نہیں وہ تو درخواست تھی، گذارش تھی، خیر فرمایئے کیا شکایت ہے جناب والا کو ——؟

بیمار: شکایت نہیں گلہ کہیے ——!

مس شفا: (حیرت سے) جی ——!!

بیمار: گھبرایئے مت گلہ آپ سے نہیں کاتب تقدیر سے ہے کہ اپنے ہی شہر میں اتنی اچھی اتنی مہربان لیڈی ڈاکٹر کے ہوتے ہوتے ہم بیماری کو سینے سے لگائے

برسوں دوسری ڈسپنسریوں کی خاک چھانتے رہے ۔!

مس شفا: مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو برسوں خواہ مخواہ ادھر اُدھر بھٹکنا پڑا، خیر اب آپ صحیح جگہ پر آہی گئے ہیں فوراً اصل مقصد کی طرف بھی آجایئے.....!!

بیمار: مقصد نہیں، مقصود کہیے بلکہ گوہر مقصود.....!

مس شفا: (حیرت سے) جی-ی-ی ——!!

بیمار: میرا مطلب ہے آپ یعنی آپ کی یہ ڈسپنسری ہمارے لیے گوہر مقصود سے کم نہیں۔

مس شفا: دیکھیے میرا وقت بہت قیمتی ہے آپ اس طرح کی گول مول باتیں چھوڑیئے اور صاف صاف بتلایئے کہ آپ کو کیا شکایت میرا مطلب ہے کیا مرض ہے ——؟

بیمار: بہت خوب! ؎

پوچھتے ہیں وہ کہ مجھ کو مرض کیا ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

محترمہ اگر مجھے مرض کا پتہ ہوتا تو پھر میں آپ کی کرسی پر نہ بیٹھا ہوتا —— ؟ بس اتنا جانتا ہوں کہ مریض ہوں اور ڈاکٹر شفاعت علی شفاعت ماہر امراض قلب و جگر کا شہرہ سن کر آیا ہوں —— لیکن یہاں پہنچ کر ماشاءاللہ بلکہ جزاک اللہ وہ جلوہ نظر آیا کہ دل پارہ پارہ، بمبئی حلوہ ہو گیا ——

مس شفا: معاف کیجیے گا چچا جان ——

بیمار: جی —— ی —— ی ——

مس شفا: میرا مطلب ہے چچا جان یعنی ڈاکٹر شفاعت علی شفاعت صاحب سات بجے تشریف لاتے ہیں۔ اگر آپ انہی کو دکھانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی ویسے ان کی اسسٹنٹ ہونے کے ناطے سنا ہے میرے ہاتھ میں بھی کچھ کچھ شفا ہے۔

بیمار: یقیناً ہو گی، کچھ کچھ کہہ کر آپ تو کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں، ہمارے حق میں تو آپ سر تا پا شفا ہیں بلکہ شفا خانہ ہیں۔

مس شفا: دیکھیے آپ پھر بہک رہے ہیں، ٹھیک ٹھیک بتایئے آپ کو کیا شکایت ہے۔

بیمار: آپ صرف شکایت کہتی ہیں حضور! یہاں تو ہر آن ایک تازہ شکایت ہے، لیکن آپ سے نہیں اپنے آپ سے۔

مس شفا: عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔

بیمار: گالی مت دیجیے۔ !

مس شفا: گالی —— ! کیا مطلب —— ؟

بیمار: مطلب یہ ہے کہ جو جی چاہے کہیے لیکن آدمی مت کہیے۔

مس شفا: اچھی بات ہے ہم آپ کو آدمی نہیں بلکہ ڈارون کا بھتیجا کہیں گے منظور رہا

بیمار: جی نہیں —— ! بھانجہ کہیئے۔ بھتیجہ تو میں چچا غالب کا ہوں —— !

مس شفا: اچھا تو چچا غالب کے بھتیجے صاحب یہ بتائیے کہ آپ کو دراصل تکلیف کیا ہے، میرا مطلب ہے کہاں کہاں درد ہوتا ہے۔

بیمار: ؎ دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں درد ہے
اسے چارہ گر بتا کہ بتاؤں کہاں کہاں

مس شفا: معلوم ہوتا ہے آپ شاعری کے بخار اور ادب کے زکام میں مبتلا ہیں۔

بیمار: یہ بیماریاں تو خیر لڑکپن ہی سے لاحق ہیں لیکن فی الحال ان کے علاج کے سلسلے میں حاضر نہیں ہوا ہوں۔

مس شفا: تو پھر کون سی بیماری آپ کو یہاں لے آئی ہے . . . .

بیمار: یہ جاننا تو آپ کا کام ہے، آپ کے ہاتھ میں شفا بھی ہے اور شفا ہی آپ کا نام ہے —— !

مس شفا: افوہ ! عجیب مصیبت ہے پتہ نہیں آج گھر سے کس گھڑی نکلنا ہوا ہے جو چچا جان کی بلا میرے گلے پڑ گئی —— نام بتلایئے —— !

بیمار: ڈاکٹر شفاعت علی شفاعت ایم - بی - بی ایس - ایف آر - سی - ایس (لندن پلٹ)

مس شفا: افوہ ! چچا جان کا نام نہیں اپنا بتایئے، یعنی آپ کا اپنا ذاتی نام

بیمار: ذاتی نام کی بھی خوب کہی، لیکن ہم جیسوں کا ذاتی نام کیا ہوگا جو کرائے کا نام رکھنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ !

مس شفا: گویا آپ بے نام ہیں —— !

بیمار: جی ہاں بلکہ گمنام زیادہ موزوں ہوگا ویسے بھی ؎
نام میں کیا رکھا ہے دلبر ✿ کچھ بھی کہہ لو آوارہ یا جادوگر

مس شفا: بہت خوب! ویسے آوارہ، جادوگر صاحب آپ کرتے کیا ہیں، صرف آوارہ گردی یا کوئی ڈھنگ کا کام دام بھی کرتے ہیں ———

بیمار: ؎
شہروں شہروں خاک چھاننا کام یہی ہے یاروں کا
کبھی ہوتے ہیں زیر زنداں کبھی قوم کے کاندھوں پر

مس شفا: اور صحیح ٹھکانہ کہاں ہے جناب کا

بیمار: پوچھ رہے ہو صحیح ٹھکانہ کیا تم کو معلوم نہیں۔
کھلا آسماں چھت ہے اپنا ساری دھرتی اپنا گھر

مس شفا: گویا آپ ساری دنیا کے باسی ہیں ——— !

بیمار: باسی نہیں تازہ ——— !

مس شفا: اچھا اچھا نہ صرف تازہ بلکہ تر و تازہ۔

بیمار: ذرہ نوازی! بلکہ عنایت کرم شکریہ نوازش مہربانی ———

مس شفا: آپ یہاں علاج کروانے آئے ہیں یا زبان درازی کا مظاہرہ کرنے۔

بیمار: محترمہ جن کی عمر، حسرتیں، آرزوئیں، خواہشیں، امیدیں سبھی کچھ کوتاہ ہوتی ہیں انہیں کم از کم زبان درازی کا حق تو ملنا ہی چاہیے۔

مس شفا: افوہ! آپ چپ رہنے کا کیا لیں گے ——— !

بیمار: وہی جو آپ دیں گی نہیں ———

مس شفا: جی ——— ی ——— ی ———

بیمار: یعنی جو میں مانگوں گا وہ آپ دیں گی نہیں، اس لیے فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں جو جی میں آئے عنایت کیجیے۔ اف تک نہیں کروں گا چاہے گالیاں ہی کیوں نہ دیں ——— !

مس شفا: معاف کیجیے گا میں ایک ڈاکٹر ہوں اور ڈاکٹر گالیاں نہیں گولیاں دیتے ہیں۔

بیمار: اس سے بھلا کس کافر کو انکار ہے، بلکہ ہمارا تو یہ ایقان ہے کہ ہر ڈاکٹر مسیحا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ اگر بندوق کی گولیوں کو بھی چھو جائیں تو وہ بھی اسپرو اور انا سین کی گولیوں میں ڈھل جائیں جنھیں کھا کر نہ سر رہتا ہے نہ درد دونوں ہی جڑ سے غائب ہو جاتے ہیں۔

مس شفا: مریض کے لیے کوئی دوا تجویز کرنے سے پہلے بیماری کی تہہ تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے اور آپ ہیں کہ نہ خود بیماری کا اتا پتا بتاتے ہیں اور نہ ہی مجھے معائنہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

بیمار: آپ کو پوری اجازت ہے حضور جہاں سے جی چاہے شروع ہو جائیے۔۔۔

مس شفا: تو پھر سب پہلے ہاتھ دکھائیے۔

بیمار: ہاتھ دکھاؤں، وہ بھی آپ کو، ایسا کہیں ہو سکتا ہے۔

مس شفا: میرا مطلب ہے ذرا ہاتھ دیجیے۔

بیمار: ہاتھ دوں، یعنی کہ آپ کو ہاتھ دوں جی نہیں اتنا گستاخ نہیں ہوں میں۔

مس شفا: اُفوہ! میرا مطلب ہے ذرا ہاتھ اٹھائیے۔

بیمار: ہاتھ اٹھاؤں اور آپ پر توبہ توبہ۔۔۔ میرے کردہ و ناکردہ گناہوں کی توبہ۔

مس شفا: اف! کیا مصیبت ہے، میں کہتی ہوں آپ اپنا ہاتھ ادھر میری طرف بڑھائیے۔

بیمار: سوچ لیجیے۔ ایک بار جب ہمارا ہاتھ کسی کی طرف بڑھ جاتا ہے تو پھر پیچھے نہیں ہٹتا۔

مس شفا: جی۔۔۔ ی۔۔۔ ی۔

بیمار: اپنے اپنے اصول ہیں صاحب

مس شفا: ڈاکٹری کے بھی اس اصول سے آپ اچھی طرح واقف ہوں گے کہ مریض کی نبض دیکھ کر صحت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

بیمار: یوں کہیے کہ نبض دیکھ کر دل بیمار کی بے چینی کا اندازہ لگاتا ہے۔

مس شفا: اپنے تئیں آپ جو چاہے سمجھیے۔ لائیے اِدھر ہاتھ بڑھائیے۔

بیمار: (ہاتھ بڑھاتے ہوئے) یہ لیجیے۔

مس شفا: (بیمار کی نبض دیکھتے ہوئے) نبض تو ایک دم ٹھیک چل رہی ہے۔

بیمار: کیسے نہیں چلے گی، آپ کا دستِ حنائی جو چھو گیا ہے۔ ع

تمہارا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا وہ چراغ راہ میں جل گئے
مجھے سہل ہو گئیں منزلیں وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے

مس شفا: (جھلا کر) مجھے لگتا ہے آپ کے دماغ میں کچھ خلل ضرور ہے۔۔۔!

بیمار: دماغی خلل کے بارے میں چچا غالب کا فرمایا ہوا بڑا مستند ہے کہ ع

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔ لیکن بندے پر اس سند کا اطلاق بالکل نہیں ہوتا لہٰذا نسخے میں یہ نہ لکھ دیجئے گا کہ مریض عشق پر لعنت خدا کی، ورنہ لوگ یہ کہہ کر آپ کو بدنام کریں گے کہ مرض بڑھتا گیا کیوں کہ مس شفا خانم کی دوا کی......

مس شفا: اوہ! آپ کی زبان ہے یا قینچی، ذرا دکھایئے تو۔

بیمار: بری بات۔

مس شفا: کیا مطلب ـــــ!

بیمار: زبان دکھانا بری بات ہے، شریر بچے زبان دکھاتے ہیں۔

مس شفا: لیکن اچھے بچے ضد نہیں کرتے، بڑوں کا کہنا فوراً مان لیتے ہیں چلیے دکھایئے زبان۔

بیمار: (زبان دکھانے کے بعد) بہت دراز ہے نا میری زبان۔

مس شفا: جی ہاں، پورے باون گز لمبی ہے۔

بیمار: لیکن آپ کی ڈسپنسری تو کسی زاویئے سے لنکا نہیں معلوم ہوتی۔

مس شفا: باون گزے صرف لنکا ہی میں نہیں پائے جاتے، ہر جگہ تھوک کے بھاؤ دستیاب ہوتے ہیں۔

بیمار: معلوم ہوتا ہے آپ ڈاکٹری کے علاوہ باون گزوں کی آڑھت کا بھی کاروبار کرتی ہیں۔

مس شفا: جہاں تک کسی قسم کی آڑھت کا تعلق ہے غصّے کے وقت زد میں آئی ہوئی ہر شئے کو آڑے ہاتھوں لینا اچھی طرح آتا ہے مجھے، لہٰذا قبل اس کے کہ میرا غصّہ جاگے آپ فوراً اپنا چشمہ الگ کیجیے۔

بیمار: میرے چشمے کا آپ کے غصّے سے کیا تعلق ـــــ؟

مس شفا: تعلق میرے غصے سے نہیں بلکہ معائنے سے ہے، ویسے شام کے دھندلکے میں تاریک شیشوں کا یہ چشمہ چڑھائے رکھنے کا کیا تک ہے۔؟

بیمار: اس چشمے کے اندر سے دنیا کا ننگا پن کسی قدر دھندلا نظر آتا ہے۔

مس شفا: فلسفہ مت چھانٹئے۔ وہم کی طرح فلسفہ بھی ایک لاعلاج بیاری ہے

ہے۔ خدارا اس سے دُور رہیئے۔ اور فوراً چشمہ اتار دیجیے۔

بیمار: میں پوچھتا ہوں آپ میرا چشمہ اتروانے پر اس قدر مصر کیوں ہیں!

مس شفا: مجھے آپ کی آنکھوں میں کچھ دیکھنا ہے —!

بیمار: کسے دیکھنا ہے! اپنے آپ کو —!!

مس شفا: جی ہاں —! میرا مطلب ہے جی نہیں —!! اُفوہ! آخر کیا مطلب ہے آپ کا —؟

بیمار: مطلب صاف ہے —

ہماری آنکھ میں آؤ کہ ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری کہ تم ہی کہو کہ ہاں کچھ ہے

میری آنکھوں میں حیا تکنے پر آپ کو اپنا ہی عکس نظر آئے گا

مس شفا: عجیب بے تکی بات ہے۔ میں نے پہلے ہی چچا جان سے کہہ دیا تھا کہ "مردوں" کا علاج ہرگز نہیں کروں گی۔

بیمار: نہ کیجیے مردوں کا علاج! زیر نکال کر پیش لگایئے اور مُردوں کا علاج کیجیے۔

مس شفا: کچھ ایسے ہی سمجھ کر اس کیس کو نبٹانا پڑے گا، کھولیئے کوٹ کے بٹن —

بیمار: چشمہ اتروائے پل بھر نہیں بیتا، اب کوٹ اتروانے پر اتارو ہو رہی ہیں آپ آخر معاملہ کیا ہے —؟

مس شفا: معاملہ بہت سیریس ہے اب چلیے کھولیے کوٹ کے بٹن۔

بیمار: معلوم ہوتا ہے سینے کے روشن داغوں سے دیدہ و دل خیرہ کرنے کا ارادہ ہے؟

مس شفا: (اسٹیتھکوپ سنبھال کر چیک کرتے ہوئے) ایسا ہی سمجھیے! ویسے آج کل شہر میں بجلی کی بڑی قلت ہے۔

بیمار: پھر تو محکمہ بجلی کے ارباب مجاز کو چاہیے کہ بجلی کے تمام بے کار کھمبوں سے عاشقوں کو باندھ دیں تاکہ ان کے سینے کے داغ دوسروں کو راستہ دکھانے کے کام آسکیں، اس طرح کم از کم اس معتوب قوم کی عاقبت ہی سنور جائے گی۔

مس شفا: ذرا سانس اوپر کھینچیے —

بیمار: اوپر —! محترمہ اصلی رونا تو یہی ہے کہ ہماری سانس ہمیشہ اکھڑی اکھڑی

اوپر ہی اوپر رہتی ہے!

مس شفا: گویا آپ ٹھیک سے معائنہ نہیں کرنے دیں گے۔

بیمار: جہاں تک سینے کے معائینے کا تعلق ہے ضرور کیجیے شوق سے کیجیے ویسے اطلاعاً عرض ہے خانۂ دل ابھی تک خالی ہے۔

مس شفا: مجھے تو آپ کی اوپری منزل بھی خالی نظر آتی ہے

بیمار: جہاں تک خالی پن کا تعلق ہے ہماری ہر منزل ہر راستہ خالی ہے....!

مس شفا: (بیمار کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) خدا کے لیے گھڑی بھر تو چپ رہیے۔

بیمار: (گنگناتے ہوئے) ؎

ہاتھ سینے پہ جو رکھ دو تو قرار آجائے

مس شفا: چپ رہیے۔

بیمار: گانا، گانے کی بھی اجازت نہیں۔

مس شفا: یہ بھی کوئی گانا ہے — ؟

بیمار: جی نہیں یہ تو مرثیہ ہے، گانا تو یہ ہے ؎

بیبو کی ممی تو بڑی نکمی

مس شفا: اوہ! سیدھے بیٹھئے، یہ بھی کوئی گانے کا موقع ہے۔!

بیمار: ارے ہاں، یہ گانے کا نہیں، دل کی خیر منانے کا موقع ہے۔!

مس شفا: وہ کس لیے

بیمار: آپ جو اتنی پاس ہیں۔

مس شفا: جی — ی — ی —

بیمار: میرا مطلب ہے آپ ڈاکٹر ہیں اور میں مریض، کیا پتہ معائنے کے بعد آپ یہ کہہ دیں کہ ٹی بی کا آخری اسٹیج ہے یا کینسر اپنی میعاد پوری کر چکا ہے۔ کیا آپ ایسا ہی کہیں گی — ؟

مس شفا: آپ کچھ کہنے کا موقع تو دیں پہلے — ! جب سے اپنی بکواس کا مظاہرہ کیے جا رہے ہیں آپ، اسی طرح دماغ چاٹتے رہے تو پھر الٹا آپ ہی کو میرے لیے کوئی نسخہ تجویز کرنا پڑے گا —!

بیمار: ضرور کرتا، لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے۔

مس شفا: نیم حکیم تو صرف خطرۂ جاں ہوتا ہے لیکن جو کچھ بھی نہیں ہوتے وہ ہر چیز کے لیے خطرہ ہوتے ہیں۔

بیمار: معلوم ہوتا ہے آپ کو ادب میں بھی دخل در معقولات ہے، لیکن ادب اور ڈاکٹری دو الگ الگ گورکھ دھندے ہیں، ادب قصہ ہائے چہار درویش و داستان چراغ الہ دین اور ڈاکٹری کونین، آیوڈین و پنسلین۔

مس شفا: مجھے ادب میں دخل ہو نہ ہو لیکن معلوم ہوتا ہے آپ کو ڈاکٹری میں دخل دَر نامعقول ضرور ہے۔

بیمار: بجا فرمایا۔ نامعقول پیشوں میں معقولیت کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے۔

مس شفا: کیا مطلب ——؟

بیمار: اب یہی دیکھیے آج کے ہر ڈاکٹر کے پاس ہر بیماری کا ایک ہی علاج ہے۔ پانی کا انجکشن، زکام ہوا انجکشن، بخار چڑھا انجکشن، حتیٰ کہ چھینک آئی تو انجکشن —— بیشتر ڈاکٹروں نے اس قابل تعظیم پیشے کو بھی مال بنانے کا سستا ذریعہ بنا لیا ہے۔ مریض اور غیر مریض میں تمیز کرنے کی زحمت تک گوارا نہیں فرماتے۔ پرسوں ہی ہمارے ایک صحت مند پڑوسی اپنی بیمار نانی سا‌س کی کیفیت سنا کر دوا لانے کی غرض سے محلے کے ایک ڈاکٹر کے ہاں گئے، ڈاکٹر صاحب نے انہیں دیکھتے ہی اس طرح پھانس لیا جیسے کوئی چڑی مار چڑیا کو اپنے جال میں پھانستا ہے۔ ان بے چاروں کو ڈاکٹر موصوف نے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا بلکہ الٹا انہیں بے شمار مہلک بیماریوں میں مبتلا قرار دے کر ایک عدد پانی کا انجکشن ان کے بدن مبارک میں اتار ہی دیا۔

مس شفا: میں پوچھتی ہوں کیا آپ تنقید نگار ہیں —!

بیمار: جی نہیں میں تو دل فگار ہوں ——!

مس شفا: افوہ! پھر وہی ردیف و قافیہ ——

بیمار: جی ہاں یہ وزن ہلی لیس۔ ڈی (L.S.D) وما فیہا ——

مس شفا: دیکھیے میں بالکل آخری بار کہہ رہی ہوں یا تو آپ بیٹھے بیٹھے شاعری کیجیے

یا مجھے معائنہ کرنے دیجیے۔

بیمار: شاعری کو تو کسی اگلی ملاقات کے لیے اٹھائے رکھتے ہیں، آج ذرا طبیعت ہی پر بحث ہو جائے۔ بڑی تر تنگ میں نظر آتی ہے۔ کل تک کسی سے میل نہیں کھاتی تھی اور اب دیکھیے کتنی دیر سے پنچم میں بول رہا ہوں —— یہ سب آپ کی پرکشش سنگت کا اثر ہے ورنہ سچ پوچھیے تو یہ حال ہے بقول جگر ؎

طبیعت ان دنوں بیگانۂ غم ہوتی جاتی ہے
میرے حصے کی گویا ہر خوشی کم ہوتی جاتی ہے

جگر صاحب کا نام سنا ہے آپ نے مراد آباد والے —

مس شفا: جی نہیں —— ہم کیا جانیں کون جگر کون پھیپھڑا —— کالج اور اسکول میں تو ہم نے صرف بھاڑ جھونکی ہے۔

بیمار: آپ تو برا مان گئیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں آپ صرف طب کی ڈاکٹر نہیں بلکہ ادب کی بھی ڈاکٹر ہیں —

مس شفا: جی نہیں، مجھے تو بخشیے، نہ میں تنقید نگار ہوں نہ دل فگار —

بیمار: خدا نہ کرے کہ آپ کو یہ بیماریاں لاحق ہوں —— بیمار ہم ہیں آپ تو انار ہیں انار . . .

مس شفا: (ہنس کر) مانا کہ میں انار ہوں لیکن اس سے پہلے کہ بیماروں کی تعداد بڑھ کر سو کے آکڑے تک جا پہنچے، یہ خوشخبری سن لیجیے کہ آپ کو کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے —— !

بیمار: تعجب ہے کوئی بیماری نہیں۔

مس شفا: جی ہاں کوئی بیماری نہیں، پوری طرح معائنہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں۔ بس ہلکا سا بخار ہے جو نارمل صحت والوں کو اکثر موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے ہو جاتا ہے، اس لیے لیجیے یہ گولیاں۔

بیمار: (گولیوں کا پیکٹ لیتے ہوئے) واہ صاحب! مانگی تھیں ہم نے گالیاں اور عنایت

کی جا رہی ہیں گولیاں، بہر حال شکریہ! ویسے ان گولیوں کے ساتھ اور کیا
استعمال کروں۔۔؟

مس شفا: (شریر لہجے میں) گالیاں ۔۔۔!

بیمار: بہتر! لیکن گالیاں دے گا کون! سالیاں تو ہیں نہیں، ویسے گالیاں کھا کر گولیاں
کھاؤں یا گولیاں کھا کر گالیاں ۔۔۔!

مس شفا: جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ اپسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا ۔۔!

بیمار: جہاں تک اپنی پسند اور خیال کا تعلق ہے دونوں صورتوں میں گالیاں آپ
ہی کو دینا پڑیں گی

مس شفا: اوہ! آپ کے مکان میں صحیح الدماغ ہیں ابھی تک ۔۔۔؟

بیمار: بد قسمتی سے مکان نہیں بلکہ فلیٹ ہے جو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔

مس شفا: میرا مطلب ہے آپ کی بیوی زندہ ہے سلامت ہے ۔۔۔؟

بیمار: یقیناً زندہ ہوگی، سلامت ہوگی۔ شادی سے پہلے سنا ہے لڑکیاں ماں
باپ کے سینے پر مونگ دل کر خود کو زندہ و پائندہ بلکہ تابندہ رکھتی ہیں۔ البتہ
اس کے آگے میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ خود مجھے نہیں معلوم کہ وہ مکان جسے میرے
فلیٹ میں جلوہ افروز ہونا ہے فی الحال کس جھونپڑے میں رونق افروز ہے ۔۔۔؟
بس آپ سے اتنی درخواست ہے کہ اگر واقعی مجھے کوئی بیماری ہے تو بخدا اس کا
چیر چاہت کیجئے۔!

مس شفا: اوہ! میں نے کہا ناکہ آپ کو کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے؟

بیمار: آپ کہتی ہیں تو یقیناً کوئی جسمانی بیماری نہیں ہوگی لیکن پھر یہ بے چینی، یہ بے
اطمینانی یہ بے سکونی کیوں ہے ۔۔۔؟

مس شفا: ہو سکتا ہے اس کا سبب دماغی سکون کی کمی ہو ۔۔۔؟ میرا معائنہ بتاتا
ہے کہ آپ جسمانی طور پر چاق و چوبند ہیں۔ اب رہا آپ کا دماغی خلل تو اس سلسلے
میں آپ کسی ماہر نفسیات سے ملیں تو مناسب ہوگا۔!

بیمار: ؎ اب کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کہتے ہیں ہر ڈاکٹر تھوڑا بہت نفسیات داں ضرور ہوتا ہے، اس حساب سے آپ کو بھی یقیناً نفسیات میں تھوڑا بہت دخل ضرور ہوگا۔ اس دخل کو عمل میں لا کر خدارا میرے دماغی خلل کو کسی طرح بے دخل کر دیجئے!

مس شفا: آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو ادب و شاعری سے بے حد لگاؤ ہے ——!

بیمار: صرف لگاؤ، یہاں، تو عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں ——!

مس شفا: کس قسم کا ادب آپ کو خاص طور سے پسند ہے ——؟

بیمار: خاتون قلم کاروں کے تخلیق کردہ ادب پر جان چھڑکتا ہوں میں نسوانی تخلیقات پڑھیے تو یوں لگتا ہے جیسے لکھنے والیاں اپنے قلم سے لکھتی نہیں بلکہ اس کی نوک پڑھنے والوں کی آنکھوں میں چبھو چبھو کر اس قدر چھید کرتی ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑتا ہے۔ ان دنوں تو ایسے ایسے زنانہ ناول مارکیٹ میں دستیاب ہیں کہ بے چارے مصورِ غم علامہ راشد الخیری مرحوم عالم بالا میں اپنی خیر منا رہے ہوں گے۔

مس شفا: پوچھ سکتی ہوں کہ صرف خواتین کے ناول ہی آپ کو کیوں پسند آتے ہیں۔

بیمار: ان ناولوں میں آخر میں ہیرو یا ہیروئن کو نہایت ہی غیر سائنٹیفک انداز میں خودکشی کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، جسے پڑھ کر جانے کیوں مجھے کچھ ہونے لگتا ہے، ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے دل و دماغ پر جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا ——!

مس شفا: ہوں تو آپ کا اصل مرض یہ ہے ——! آپ کی بے اطمینانی، بے سکونی اور بے چینی کا سبب ہیں۔ یہ خواتین کے لکھے مایوس کن ناول —— آپ فوراً ایسے ادب کا مطالعہ ترک کر دیجئے ——!

بیمار: ایسا غضب مت کیجیے محترمہ! مطالعے کے بغیر تو میں زندہ نہیں رہ سکتا——؟

مس شفا: میں کب کہتی ہوں آپ سرے سے مطالعہ ہی ترک کر دیجئے، پڑھیے ضرور پڑھیے۔ لیکن ہلکی پھلکی اور دلچسپ چیزیں پڑھیے، میری مانئے تو آج ہی سے طنزیہ و مزاحیہ ادب پڑھنا شروع کر دیجئے۔ خاص طور سے ارمان مہدی کی مزاحیہ تخلیقات پڑھیے ——!

بیمار: ارمان مہدی —— ! یہ نام تو آج پہلی بار سن رہا ہوں ——!

مس شفا: تعجب ہے! ادب و شاعری سے لگاؤ رکھنے کے باوجود آپ نے آج تک

ارمان صاحب کا نام نہیں سنا۔

بیمار: اپنی کم علمی اور محدود مطالعے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آج آپ کی زبانی ارمان صاحب کا نام سن لیا ہے، انشاءاللہ اپنی پہلی فرصت میں موصوف کو پڑھنا شروع کر دوں گا۔

مس شفاء: ضرور پڑھیے انشاءاللہ آپ کی ساری بے چینی بے اطمینانی اور بے سکونی دور ہو جائے گی۔

بیمار: اچھا تو اب اجازت چاہتا ہوں، آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے مجھ بیمار کو صحت مند ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کی بلکہ اس سلسلے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ یہ صحت مند بیمار آخری سانس تک آپ کو نہیں بھول پائے گا۔ خدا حافظ۔

مس شفا: خدا حافظ —— !!

(صحت مند بیمار باہر نکل جاتا ہے، ڈاکٹر مس شفا کرسی سے اٹھ کر واش بیسن کی طرف جاتی ہے ہاتھ دھو کر تولیہ سے صاف کرتے ہوئے واپس لوٹتی ہے، اس کی نظر میز پر رکھے ایک تہہ کئے ہوئے رسالے پر پڑتی ہے اسے اٹھا لیتی ہے اور چپراسی کو آواز دیتی ہے ——)

مس شفا: چپراسی —— !!

چپراسی: (داخل ہوتا ہے) جی۔ ڈاکٹر صاحب —— !

مس شفا: ابھی ابھی جو صاحب یہاں سے گئے ہیں وہ شاید اپنا رسالہ بھول گئے ہیں دوڑ کر انہیں دے آؤ۔

چپراسی: وہ تو ڈاکٹر صاحب باہر نکلتے ہی آٹو میں بیٹھ کر چلے گئے۔

مس شفا: (بڑبڑاہٹ) عجیب سر پھرا انسان تھا —— (چپراسی سے) تم جاؤ —— (چپراسی چلا جاتا ہے! ڈاکٹر اسی رسالے کی بے خیالی میں ورق گردانی کرنے لگتی ہے۔ ایک صفحے پر پہنچ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں۔ وہ بے اختیار سرخی پڑھنے لگتی ہے)

مس شفا: ماہنامہ پھلجھڑیاں کے نامہ نگار کی مشہور طنز و مزاح نگار ارمان مہدی سے ایک دلچسپ ملاقات کا آنکھوں دیکھا حال۔ صرف ماہنامہ پھلجھڑیاں ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلی مرتبہ ارمان صاحب کی مختلف موڈ کی تصویریں پیش کر رہا ہے —— (تصویروں پر نظر پڑتے ہی) ارے یہ تو وہی ہے وہی سر پھرا انسان جو ابھی کچھ دیر پہلے یہاں بیٹھا میرا بھیجہ چاٹ رہا تھا —— تو وہ —— وہ ——

(رسالہ ہاتھ سے گر پڑتا ہے)

مینڈک مینڈکی اور زکام!

افراد:

- پریمی (چترویدی)
- محبوبہ (لتا) اور
- ڈیڈی

- مقام: عیش باغ یا چڑیا گھر کا (جو مناسب ہو) پُرسکون بلکہ ویران گوشہ
- وقت: وہی جب مینڈکی کو زکام ہوتا ہے، عشق کا سودا سر میں سماتا ہے۔

پہلا ایکٹ

پرسیمی (اسٹیج کے دائیں جانب سے داخل ہوتا ہے۔ چہرے مہرے اور حلیے سے مجنوں کی اولاد نظر آتا ہے پھر مختلف حرکتیں کرتے یعنی بیٹھنے، لیٹنے اونگھنے، کھانسنے، گھنکارنے، ٹہلنے اور سر کے بل کھڑے ہونے کے بعد گھڑی کی سوئیوں کو گھورنے پھر کان سے لگانے پھر گھورنے کے عمل کو گیارہ صحیح تین بٹا چار (۱۱¾) مرتبہ دہرانے کے بعد رونی صورت بنا کر گنگنانا پھر اڑلانا شروع کر دیتا ہے۔" اے جان حیا آ جلدی آ، تجھے میری قسم (گلے کو چھو کر) مجھے یوں نہ ستا ——— آ دیکھ ذرا، دیوانہ ترا، دیتا ہے صدا آسامنے آ، آ کر یہ تو بتا "سب خیریت ہے نا!" ——— سرزد ہوئی مجھ سے کون خطا..... جو دی ہے سزا.... اولیٹ لطیف اب ابھی چلا گانا بھی سارا ختم ہوا" اور لتا کا اب تک نہیں پتہ.... لتا ——— لتا ——— لتا.

لتا: (دور کی آواز) ہیلو..... ڈارلنگ.....

پرسیمی: (سہگل کے لہجے میں) تو آ گئی..... تو آ گئی..... کہیں یہ خواب خرگوش تو نہیں۔ ذرا اس کے چٹکی لے کر دیکھوں (محبوبہ کے قریب پہنچنے پر اس کی چٹکی لیتا ہے)

محبوبہ: اوچ....

پرسیمی: یعنی تم سچ مچ آ گئی ہو، اے میری زندگی کے ایک تارے کا واحد تار...... میری جان ادا....

محبوبہ: ٹھہرو ٹھہرو ——— ایک منٹ ٹھہرو، اس جانِ ادا پہ یاد آیا تم نے پچھلے

سفتے جو روپے اُدھار لیے تھے وہ ابھی تک ادا نہیں کیے۔ چلو فوراً انٹی ڈھیلی کرو۔

پردیسی: (جھلاکر) دھت تیری کی...... ہم نے کہا جان ادا...... اور تم کہہ رہی ہو روپے ادا کرو۔ اے میری زندگی کے طبلے پر مڑھی ہوئی چمڑی...... یوں نہ ھیلے دمڑی کا بے سرا راگ مت الاپو بلکہ عشق کا جاپ کرو...... پریم کا الاپ کرو......

محبوبہ: میں کہتی ہوں یہ نان اسٹاپ بکواس اسٹاپ کرو......

پردیسی: تم پیار محبت کو بکواس کہتی ہو۔ اے میری زندگی کے بلبل ترنگ کی بلبل، تم نہیں جانتیں تمہاری چاہ میں کتنے پاپڑ بیلے ہیں میں نے......

محبوبہ: اچھا — یہ تو مجھے آج ہی معلوم ہوا...... چلو نکالو، فوراً "پرافٹ" میں میرا حصّہ......

پردیسی: "پرافٹ" (Profit) میں حصّہ......؟

محبوبہ: ہاں! ففٹی پرسینٹ سے کم نہیں لوں گی......!

پردیسی: میں سمجھا نہیں ڈارلنگ ——

محبوبہ: افوہ! تم نے میری چاہ میں جو پاپڑ بیلے ہیں انہیں بیچ کر روپیہ تو کمایا ہوگا، اسی میں سے حصّہ مانگ رہی ہوں۔

پردیسی: افوہ! مذاق چھوڑو میری جنگل کی ڈیر ایسی نیچرل فضا میں کمرشیل گفتگو کرکے مجھے اردو کے کسی جدید ادیب یا شاعر کی طرح کرب کا شکار مت بناؤ — دیکھو فضا کتنی رومانٹک ہے، ماحول کتنا فانٹاسٹک ہے! اور ہمارا یہ ملن کتنا آرٹسٹک ہے۔

محبوبہ: بہت اچھے ڈارلنگ! تم تو اردو شاعری میں انگریزی قافیے ملا رہے ہو۔ شاعری پر یاد آیا، تم نے اپنی جو غزل مجھے دی تھی نا ڈیڈی سے اصلاح کروانے کے لیے — وہ تو ایک دم ردّی ہے۔

پردیسی: ردّی! یعنی میری غزل ردّی — ! میں کہتا ہوں اس غزل کو ردّی کہنے والا

خود رڈی ہے بلکہ پڈّی ہے، بلکہ پڈّی کا شوربہ ......

محبوبہ: پڈّی ..... ؟ یعنی تم نے میرے ڈیڈی کو پڈّی کہا ــــ !

پردیسی: ڈ.... ڈ.... ڈیڈی..... یعنی تمہارے ڈیڈی ــ وہ بھلا پڈّی کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو شاعری کے چڑیا گھر کے ہاتھی ہیں، گینڈا ہیں، شیر ہیں.... پڈّی تو میں ہوں بلکہ پڈّی کا پڈّا ــــ !

محبوبہ: چلو ہٹو! اب باتیں مت بناؤ ــــ !

پردیسی: غلطی ہو گئی ڈیئر، معاف کر دو۔ آئندہ کبھی ایسی گستاخی نہیں ہوگی بلکہ لو کان پکڑتا ہوں، ناک رگڑتا ہوں.... !

محبوبہ: (ہنستے ہوئے) جاؤ معاف کیا! ویسے کان پکڑ کے ناک رگڑتے ہوئے تم بڑے اچھے لگتے ہو۔ ابھی سے پریکٹس کرتے رہو تو شادی کے بعد تکلیف نہیں ہو گی ــــ !

پردیسی: آئیں ــــ !

محبوبہ: لو، باتوں باتوں میں اصل بات بتانا تو بھول ہی گئی ــــ ڈیڈی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔

پردیسی: ڈ... ڈ ــ ڈیڈی تمہارے ڈ ــ ڈیڈی ــ مگر کیوں جانِ من۔ دیکھو نا ڈیئر۔ میں نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، جمعہ جمعہ آٹھ دن کی تو پیدائش ہے میری۔ اور تمہارے ڈیڈی!! باپ رے باپ، ان کی ہستی تو وہ عظیم الشان ہستی ہے جس کو ہر دور میں، ہر بستی میں ہر محلے ہر گلی میں ہر تاریخی محبوبہ کا جغرافیائی باپ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے.....

محبوبہ: اُفوہ! ڈارلنگ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ لیلیٰ محمل سے نکل کر بادلوں کی محفل میں چلی آئی ہے۔ وہی سوہنی جو مہیوال کے عشق میں اتنی ڈوب چلی تھی کہ اس سے ملنے کچے گھڑے پر بیٹھ کر طوفانی لہروں میں اتر گئی تھی۔ آج اس اسپیڈ سے کار چلاتی ہے کہ اس کی زد میں آنے والا ہر شخص بیکار ہو کر رہ جاتا ہے، یہی حال ہیر کا ہے کبھی جس کے تیرِ نظر کا حقدار صرف رانجھا ہوا کرتا تھا، اب کسی مشّاق تیر انداز کی طرح آنِ واحد میں کئی دلوں کو

چھلنی کر دیتی ہے۔

پریمی: یہی تو اصل رونا ہے ڈیر! محبوباؤں نے تو اپنا چولا بدل لیا مگر ان کے والد بزرگوار ابھی تک ویسے ہی جلاد اور سفاک ہیں۔ میری اس بات سے کہیں تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ڈرپوک ہوں ... تم اگر حکم دو ڈارلنگ تو میں آسمان کے چاند ستاروں کی ہو بہو نقل سلمی ستاروں کے روپ میں تمہارے ڈوپٹوں اور میکسیوں پر اپنے دوست کے کارخانے سے کفایتی داموں میں کروا لاؤں، لیکن ایک تمہارے ڈیڈی سے ملنا ناممکن، بس یہیں تو اپنے فرشتے بغیر درخواست کے رخصت اتفاقی لے لیتے ہیں۔

محبوبہ: گھبراؤ مت ڈارلنگ! مالک پر بھروسہ رکھو وہ بڑا کارساز ہے۔

پریمی: اچھا! یعنی اب وہ بھی کار بنانے لگا ہے۔ کون سی کار بنا رہا ہے ڈیر۔

محبوبہ: مذاق چھوڑو ڈیر۔

پریمی: مذاق کیسا جانِ من تم ہی نے تو اس مالک کو کارساز کہا ہے یعنی کار بنانے والا جس طرح گھڑی بنانے والا گھڑی ساز کہلاتا ہے۔

محبوبہ: میں کہتی ہوں تم ساز اور آواز کے اس جھگڑے کو چھوڑو اور فوراً چلو میرے ساتھ، آج ڈیڈی سے تمہارا تال میل کروا ہی دوں

پریمی، کون سا میل

محبوبہ: تال میل ڈیر تم نے کیا بلیک میل سمجھ لیا۔

پریمی: نہیں۔ یعنی کہ میرا مطلب ہے میل اور ایکسپریس کا یہ ٹکراؤ ضروری ہے کیا یعنی کہ اس دار و رسن کی آزمائش سے بچنے کی کوئی صورت نہیں

محبوبہ: ہے، صرف ایک ہی صورت ——!

پریمی: وہ کیا ——؟

محبوبہ: وہ یہ کہ اپنی صورت ڈیڈی کو دکھا دو۔

پریمی: اچھا چلو، چڑھ جا بیٹا سولی پہ، رام بھلی ہی کریں گے۔ مگر ٹھہرو، تم نے ہمیشہ یہ بتایا ہے کہ تمہارے ڈیڈی کے موڈ کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

محبوبہ: خوب یاد دلایا۔ آج کل ڈیڈی پر تک بندی کا بھوت سوار ہے ——!

پریمی: لو، یہاں تو سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے —— کر دیا نا بیڑہ غرق ——!

محبوبہ: بیڑا غرق نہیں بلکہ پار سمجھو —— تمہاری تک بندی آخر کب کام آئیگی۔

پریمی: تو پھر ایسا کرو ڈیر تم مجھے صرف ایک دن کی مہلت دے دو

محبوبہ: وہ کس لیے؟

پریمی: میں ذرا اپنی تک بندی اپنی شاعری کو تھوڑا سا برش کر لوں۔ تھوڑی سی پریکٹس اور کر لوں۔

محبوبہ: ٹھیک ہے تم بھی کیا یاد کرو گے۔ جاؤ ایک دن کے لئے بخشا کل شام تم ہمارے ہاں چائے پر آ رہے ہو۔

پریمی: بالکل آ رہا ہوں۔ سینٹ پرسینٹ آ رہا ہوں۔

محبوبہ: اچھا تو بائی بائی۔

پریمی: بائے۔

دوسرا ایکٹ

(ایسا کمرہ جسے اگر جدید ادب اور تجریدی آرٹ کا "منی میوزیم" کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ میز پر ماہنامہ "شب خون کے کئی شمارے اور سورج کو چونچ میں لیئے ہوئے کئی مرغے یعنی جدید شاعروں کے کئی مجموعے بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہیں۔ قریب میں پاکستان کے جدید شاعر عبدالعزیز خالد سے خطرناک حد تک ملتا جلتا ایک ادھیڑ عمر کا خوش پوشاک شخص بیٹھا "کلک موج" کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ اسی کمرے سے ملحق بالکنی میں لتا کھڑی ہوئی انتظار میں سوکھ رہی ہے اچانک سوکھے کی جگہ باڑھ آ جاتی ہے یعنی پریمی آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دوڑ کر اس کے استقبال کو نیچے پہنچ جاتی ہے۔

محبوبہ: او لیٹ لطیف پورے پندرہ منٹ لیٹ ہو تم ....!

پریمی: تم صرف دیری کا رونا رو رہی ہو اور مجھے ڈر ہے کہ آج کے بعد میرے نام کے ساتھ سچ مچ انگریزی کا لیٹ اور اردو کا مرحوم تخلص کی طرح چپک نہ جائے یہ بتاؤ تمہارے ڈیڈی کا موڈ کیسا ہے ....

محبوبہ: آج تو ڈیڈی کا موڈ بھی کچھ زیادہ ہی ترنگ میں ہے۔

پریمی: ان کی یہ ترنگ کہیں اپنے رنگ میں بھنگ نہ ڈال دے۔

محبوبہ: یہ کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ جوان آدمی ہو سینہ تان کر سر اٹھا کر مردانگی کے

ساتھ مورچہ سنبھالو۔

پردیسی: ٹھیک ہے، ویسے تم بھی مورچے کے آس پاس ہی رہوگی نا!

محبوبہ: بالکل لیکن میں کچھ بولوں گی نہیں۔

پردیسی: اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم خاموش تماشائی بنی رہوگی۔

محبوبہ: نہیں! ریفری کا رول ادا کروں گی۔ لو باتوں باتوں میں ہم پہنچ گئے بیٹھک میں وہ رہے ڈیڈی ہیلو ڈیڈی، دیکھئے آپ سے ملنے کون آیا ہے!

ڈیڈی: ارے لتا! آؤ آؤ۔ جناب کی تعریف؟

محبوبہ: یہی ہیں مسٹر پیش کمار چترویدی۔ اور ڈیڈی یہی ہیں میرے پتا علامہ اقبال نمک پوری۔

پردیسی: احتراماً عرض کرتا ہوں۔ نمستے ڈیڈی

ڈیڈی: نمستے نمستے، تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مسٹر چترویدی۔

پردیسی: اور مجھے بھی ڈیڈی۔

ڈیڈی: بیٹھو برخوردار۔ اس کو اپنا گھر سمجھ کر بے تکلف بیٹھو میاں

پردیسی: وہ تو اپنا ہی سمجھ کر میں چلا آیا یہاں۔

ڈیڈی: بہت خوب، تم سے مل کر واقعی برخوردار جی بہت ہی خوش ہوا۔

پردیسی: آپ کی ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ ——!

ڈیڈی: ہاں، تو برخوردار، کیا میں تمہاری آمد کا مقصد جان سکتا ہوں —!

پردیسی: جی بالکل۔ میری آمد کا ہے مقصد صرف اتنا، کیا اس حسینہ کو میں اپنا مان سکتا ہوں۔

ڈیڈی: بہت خوب میں تمہاری صاف گوئی سے بہت ہی خوش ہوا۔

پردیسی: پھر تو گویا میں یہ سمجھوں، میری امیدوں کا گلشن کھل گیا۔

ڈیڈی: ابھی نہیں، ابھی نہیں، اتنی آسانی سے برخوردار آشائیں سپھل ہوتی نہیں۔

پردیسی: یعنی کوشش کے بغیر کوئی بھی مشکل سہل ہوتی نہیں۔

ڈیڈی: بالکل درست، بالکل بجا

پردیسی: تو پھر اسے اکلوتی لتا کے اکلوتے پتا، عرض کچھ میں بھی کروں گر آپ دیں حوصلہ

ڈیڈی: عرض کرنا بعد میں، پہلے میرے چند سوالوں کے میاں دینا جواب....

پریمی: پوچھئے عالی جناب۔

ڈیڈی: سب سے پہلے یہ بتاؤ تمہارے گھر میں کل کتنے فرد ہیں۔

پریمی: کل ملا کر تین عدد ہیں عورتیں اور چار مرد ہیں۔

ڈیڈی: یوں نہیں برخوردار ذرا تفصیل سے سناؤ۔ رشتے میں یہ تمہارے لگتے ہیں کیا بتاؤ۔

پریمی: تفصیل اس کی دھیان سے سنئے جناب من، دو بھائی ایک بھابی، ماں باپ اور بہن۔

ڈیڈی: بہت خوب، اب یہ بتاؤ تم کو لتا کیوں پسند ہے؟

پریمی: ہے یہ سوال مشکل پھر بھی جواب سنئے، کردار کی یہ اعلیٰ ارادوں کی بلند ہے۔

ڈیڈی: کیا تم خوشی سے اس کی ہر ایک بات مانو گے؛ یہ دن کو اگر رات کہے رات جانو گے

پریمی: میں اسکی ہر اک بات کو قانون مانوں گا؛ گر یہ کہے افلاک کی بھی خاک چھانوں گا

ڈیڈی: پھر تو مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑے گا؛ یہ سودا برخوردار تمہیں مہنگا پڑے گا

پریمی: سمجھا نہیں میں آپ کی اس بات کو جناب؛ ہڈی کباب میں ہے یا ہڈی میں ہے کباب

ڈیڈی: سمجھو گے خاک ہمکو تو ہے عشق نے مارا؛ ڈرتا ہوں کہیں مجھ سا حشر ہو نہ تمہارا

پریمی: بالکل نہیں سمجھا بخدا میں یہ اشارا؛ کیوں ایک سا ہوگا بھلا حشر ہمارا

ڈیڈی: ایک چیز مشترک ہے میاں تم میں اور ہم میں؛ جوں اشک مشترک ہیں مسرت میں اور غم میں
ماضی کے ہم ہیں عاشق تم حال کے عاشق ہو؛ سنہ ۴۰ء کے ہم عاشق تم اس صدی کے عاشق

پریمی: اب بھی نہیں سمجھا بخدا میں یہ اشارا۔

ڈیڈی: جوانی کے تقاضے اور ہوتے ہیں؛ بڑھاپے کا تماشہ اور ہوتا ہے
وہاں پر عمل ہوتا ہے؛ یہاں بس غور ہوتا ہے

پریمی: پھر بھی نہیں سمجھا بخدا میں یہ اشارا۔

ڈیڈی: اب بھی نہیں سمجھے تو میاں غور سے سنئے؛ اتنا ہی عرض کرنا ہے تم کو جواب میں
آ اے گل فسردہ لگا لوں تجھے گلے؛ میری طرح سے تو بھی لٹا ہے شباب میں

(ڈیڈی آگے بڑھ کر پریمی کو گلے لگاتے ہیں۔ اس حرکت بلکہ عمل کے بعد دونوں کے لئے منہ چھپانے کے سوائے کوئی چارہ نہیں اس لیے اسٹیج کا پردہ گرا دیا جاتا ہے) ●●

سُپر ڈنڈا

کردار

حمایت بیگ حماقت بیگم حماقت چتر پرشاد ماتھر مسز ماتھر	ہر دو حضرات ہم عُمر اور ہر دو خواتین بھی ہم عُمر (چاروں کی صحیح عُمر کا اندازہ خود لگا لیجئے)

مقام

گوشۂ حماقت (حمایت بیگ کا مختصر مکان)

وقت

مُرغ کے بانگ دینے کا یعنی علی الصبح ساڑھے سات بجے

بیگم حماقت: (جماہی آمیز بڑبڑاہٹ) لگتا ہے خاصا دن نکل آیا ہے، توبہ توبہ توبہ...
آج فجر کی نماز بھی گئی۔ خدا بھلا کرے ان کے دوستوں کا، آدھی آدھی رات
تک وہ جمگھٹا رہتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ نہ جانے کہاں
کہاں سے یہ ایرے غیرے نتھو خیرے جمع ہو جاتے ہیں جیسے دیکھو خود کو میر،
غالب کا بھی چچا سمجھتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں ان اٹھائی گیروں نے ہمارے گھر کو
واجد علی شاہ کا دربار سمجھ رکھا ہے۔ کیا کیا نمونے پال رکھے ہیں انھوں نے
(اونچی آواز میں بغل والے پلنگ پہ پیر پھیلائے سوئے حماقت صاحب کو مخاطب
کرتے ہوئے) اجی میں نے کہا، اٹھو خاصا دن نکل آیا ہے
(جواب میں حماقت صاحب کی تھوڑی سی کسمساہٹ پھر وہی نیند
کی گہرائی) افوہ! ان کی یہ منحوس عادت جاتی نہیں کسی طرح۔ جنم جنم کی نحوست
میرے مولا۔ رئیسوں کے یہ چونچلے دیئے ہی تھے تو دولت کے انبار بھی دیئے
ہوتے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے "خدا چور بنائے چور کی صورت نہ بنائے۔
یہاں تو عمر بیت گئی بگڑے رئیسوں کی یہ عادتیں سدھارتے سدھارتے۔
خدانخواستہ آج باوا جان کا آسرا نہ ہوتا تو پھر یہ خاندانی رئیس ٹکے کے بیس بکتے ہیں!
لو میں بھی کیا بکواس لے کر بیٹھ گئی، اجی میں نے کہا اب اٹھو بھی بہت ہو چکا
سونا، میری پھوٹی تقدیر میں شاید تمہارا منحوس سونا ہی لکھا تھا۔ خدا باوا
جان کو تا قیامت سلامت رکھے سونے میں پیلی کر کے گھر سے وداع کیا تھا
لیکن وہ سارا سونا گھر گرہستی کی منحوس چیل جھپٹا مار کر لے اڑی اور سارا سونا
گنوا کر اگر کچھ ہاتھ آیا بھی تو ان کا یہ دن رات کا پیر پھیلا کر سونا۔ میں تو باز آئی
ان کے سونے سے .... اجی اب اٹھو بھی، کیا نحوست ہے۔ آج دفتر نہیں
جاؤ گے؟ دیکھو سورج سر پر چڑھ آیا ہے ....

حماقت: (نیم بیداری کے عالم میں) افوہ! صبح ہی صبح کون کدھر چڑھ آیا بھئی....

بیگم: شروع ہو گیا نا آنکھ کھلتے ہی بے تکا پن، ذرا اچھی طرح آنکھ کھول کر دیکھو کیسا پہاڑ سا دن نکل آیا ہے۔ خود دیر سے اٹھتے ہیں، دفتر دیر سے پہونچتے ہیں۔ اور روتے ہیں میری جان کو......

حماقت: افوہ! بیگم ابہ سویرے سویرے بڑے صاحب کی طرح آنکھیں کیوں لال پیلی کر رہی ہو......

بیگم: آنکھیں لال پیلی نہ کروں تو کیا تمہارے لیے پیار کے پیمانے چھلکاؤں۔ .... کبھی بھولے سے تمہیں کاجل کی ڈبیا تک لانے کی توفیق ہوئی ہے!!!..

حماقت: واللہ بیگم! ان جھیل سی گہری، کنول سی کومل نقشی کٹورہ آنکھوں کو کاجل کا کیا ضرورت۔ بقول شاعر ؎

گوری تیرے نیناں کاجر بن کارے کارے.....

بیگم: بس بھی کرو یہ منحوس شاعری، اس موئی نے تو سارے گھر کا ستیاناس کیا ہے۔ وہ تو خدا یا وا جان کو ہزاری عمر دے....

حماقت: ہزاری نہیں کروڑی عمر دے لیکن یہ صبح ہی صبح باوا جان کی شان میں قصیدے کیوں پڑھے جا رہے ہیں۔

بیگم: نہیں تو کیا تمہاری منحوس شاعری کے گن گاؤں؟ خدا نہ کرے آج باوا جان کا آسرا نہ ہوتا تو کیا تم اس طرح پیر پھیلائے چین کی بنسی بجاتے؟ پھر میں دیکھتی تمہاری اس چھ سو روپلی میں گرہستی کی گاڑی کس طرح چلتی۔ یا وہ تو باوا جان نے بچوں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ورنہ معلوم ہو جاتا تمہیں آٹے دال کا بھاؤ۔ پھر دیکھتی میں یہ آئے دن کے مشاعرے کس طرح جمتے اور تمہاری شاعری کی مینا کس طرح چہکتی۔

حماقت: (جھلا کر) میں کہتا ہوں بیگم بات بات میں میری شاعری کی ٹانگ مت گھسیٹو۔

بیگم: آہاہا۔ کیا کہنے ان کی شاعری کے 'ٹانگ مت گھسیٹو' میرا بس چلے تو ڈائن کا ٹینٹوا ہی دبا دوں کس کام کی یہ شاعری جس سے دو کوڑی کی آمدنی نہ ہو۔

حماقت: یہ تو سراسر الزام ہے۔ بہتان ہے "بیگم۔ ابھی اس دن ہی تو ریڈیو پر غزل پڑھ کر پورے ساٹھ روپے آپ کی جھولی میں لا کر ڈالے تھے۔

بیگم: کیا کہنے، پورے ساٹھ روپے جیسے میں بھکارن ہی تو ہوں۔ جھولی پھیلائے بیٹھی تھی کہ کب سرکار ریڈیو پر غزل پڑھ کر ساٹھ روپے لا کر میری جھولی میں ڈالتے ہیں۔ وہ جو ریڈیو سے غزل نشر ہونے کی خوشی میں آپ کے مفت خورے یاروں کی دعوت پر پورے سو روپے خرچ ہوئے، وہ کہاں سے آئے تھے، کس کھاتے میں ڈالا جائے ان روپوں کو۔

حماقت: (گڑبڑا کر) وہ ..... یہ میرا مطلب ہے ... بیگم ..... وہ ..... (کھانسی)

بیگم: (جھلا کر) بڑے آئے حاتم طائی کی اولاد۔ (چونک کر) لو! مجھے بھی الجھا لیا نا اپنی بے تکی لن ترانی میں۔ کیا آج سچ مچ دفتر نہیں جاؤ گے؟

حماقت: آج کچھ موڈ نہیں ہے بیگم — !

بیگم: پھر وہی موڈ — خدا غارت کرے موڈ کو۔ اسی موئے نے تو پہنچایا ہے اس حال کو، پھر بھی اسی کی تابعداری۔ مُوا موڈ نہ ہوا کوئی پہونچا ہوا پیر فقیر ہو گیا۔ میں پوچھتی ہوں اس "موڈ شاہ" کی مریدی سے آج تک کچھ حاصل بھی ہوا ہے، کچھ فائدہ ہوا ہے۔ برسوں سے وہی چھابو کے چھابو ہی ہیں ذرا اپنے دفتر کے ساتھیوں کو دیکھو۔ ساتھ والوں کو کیا بعد والوں کو دیکھو، دیکھتے ہی دیکھتے سپر۔ ان ڈن — ڈنڈے ہو گئے۔

حماقت: (حیرت سے) سُپر ان .... ڈن .... ڈنڈے — یا مشکل کشا یہ کون سا نیا عہدہ ایجاد کر ڈالا بیگم! کہیں سپر ان ٹنڈنٹ (Superentendent) کا بھرتا تو نہیں بنا دیا؟

بیگم: ہاں ہاں وہی — سپر ان — ٹن ٹن ٹن —

حماقت: بس بس! اتنا ہی کافی ہے۔ آگے کہیں اپنے شوہر نامدار کے حق میں یہ دعا نہ مانگ بیٹھنا کہ یا اللہ! ہمارے گھر والے کو سپر جیٹ بنا دے (ہنسی) ویسے آپ یہ بھول رہی ہیں کہ ان دنوں بندہ بقول آپ کے "سپر ڈنڈے" ہی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

بیگم: ہاں ہاں زیادہ شیخی مت بگھارو، آج پورا ایک مہینہ ہو جائے گا اور پھر کل تمہارے سپر ڈنڈے کے لوٹتے ہی تمہیں پھر وہی بابو کی کرسی پر لوٹا دیا جائے گا

یہاں تو یہ حسرت ہی رہ گئی کہ کبھی تمہیں بھی مستقل ترقی ملے۔ لیکن ہمارے ایسے نصیب کہاں۔ دفتر میں ترقی ہوتی بھی ہوگی تو ان کی جو وقت کے پابند ہوں، اپنے کام میں ہشیار ہوں، اور

حماقت: (ست پٹا کر) بیٹھے بیٹھے لیکچر ہی جھاڑے جاؤ گی یا کچھ ناشتے وغیرہ کا بھی اہتمام کرو گی۔

بیگم: تمہاری گول مول باتوں میں الجھ کر میں یہ بھول گئی کہ ابھی ناشتہ بھی بنانا ہے مجھے۔ خدا محفوظ رکھے آپ کی باتوں سے۔ توبہ..... توبہ..... توبہ.....

۲

مقام: چیتر پرشاد ماتھر کا گھر
وقت: پونے دس بجے

حماقت: (بلند آواز میں) اماں ماتھر صاحب.....

ماتھر: (اندر سے) ارے بھئی بیگ صاحب اندر آجایئے۔

حماقت: (اندر پہونچ کر) کیوں بھئی دفتر چلنا ہے کہ نہیں.....

ماتھر: بالکل چلنا ہے، میں تو ایک دم تیار ہوں۔ بس ذرا ایک ایک پیالی چائے ہو جائے (بہ آواز بلند) میں نے کہا نرملا، بیگ صاحب آئے ہیں ان کے لیے بھی چائے لے آنا۔

حماقت: ارے بھئی ماتھر میں گھر سے کھا پی کر چلا ہوں۔

ماتھر: ہاں ہاں بھائی، میں کب کہتا ہوں کہ تم گھر سے بھوکے پیاسے چلے ہو۔ آدمی جب گھر سے چلتا ہے تو کھا پی کر ہی چلتا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم بیگم کی ڈانٹ کھا کر ہی چلتا ہے۔

حماقت: (گڑبڑا کر) آئیں.....

(اسی پل نرملا ماتھر چائے کی ٹرے لے کر داخل ہوتی ہے)

مسز ماتھر: نمستے بیگ بھائی۔

حماقت، آداب عرض بھابی۔

مسز ماتھر: بڑے دنوں بعد ہمارا خیال آیا آپ کو۔ کچھ دبلے بھی نظر آ رہے ہیں آپ۔ شاید آپ بھی ان کے ساتھ رات دیر تک کام کر رہے ہیں۔

حماقت: (بے سوچے سمجھے) رات دیر تک کام ..... دبلے — یعنی — نہ .....

مسز ماتھر: اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ دونوں کی ایک ساتھ ترقی ہونے والی ہے...

حماقت: ت ... ت ..... ت .... ترقی۔ دو .... دو۔ دونوں کی۔ بھئی .... ما... ما۔ ماتھر

ماتھر: (گڑبڑا کر) آج کل کام بہت ہے نا یار، اور پھر اپنی سالانہ رپورٹس بھی تو ہیڈ آفس جانے والی ہیں۔

(نرملا ماتھر کو چائے بنانے میں مصروف پا کر سرگوشیانہ لہجہ میں)

اماں، حماقت کے پتلے چپ چاپ ہاں میں ہاں ملاؤ بھئی.....

حماقت: ہاں ہیں ہاں، ہاں ہاں۔ ہاں بھابی آج کل واقعی کام بہت ہے، دم لینے کی فرصت نہیں۔ اور خاص طور سے ماتھر کا حال تو بہت بُرا ہے۔ بیچارے کو فراڈ کیس کا انچارج بنایا گیا ہے۔

ماتھر: (حماقت کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف کھینچتے ہوئے) اب چلو بھی بھائی، پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔

مسز ماتھر: مگر چائے تو پیتے جائیے۔

ماتھر: چائے ہم دفتر کی کینٹین میں پی لیں گے۔ بائی، نرملا ڈارلنگ۔

مسز ماتھر: بائی۔ اچھی ترقی ہے۔ خوب کام ہے۔ چائے تک پینے کی مہلت نہیں۔

(حماقت اور ماتھر تیز قدموں سے نکڑ تک پہونچتے ہیں)

حماقت: (رک کر) اماں! یہ کیا گول مال ہے بھئی۔ رات دیر تک کام اور ترقی وغیرہ کیا چکر ہے،

ماتھر: یار تم نرے حماقت ہی ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے، میاں دفتر میں بڑے صاحب

کی جھڑکیاں اور ڈانٹ سننے کے بعد آدمی کو اپنے گھر میں تو سکون ملنا چاہیے۔ اور گھر میں جیسا کہ تم جانتے ہو، یہ جو بیگمات ہوتی ہیں، اکثر بڑے صاحب کی بھی والد بزرگوار بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ اب بے چارہ بابو کرے تو کیا کرے! کم ازکم گھر میں تو اس ستائی ہوئی مخلوق کو اس کا صحیح مقام ملنا چاہیے اور اپنے اس حق کی حصول یابی کے لیے دو چار جھوٹ تو بولنے ہی پڑتے ہیں۔ ورنہ اگر آدمی تمہاری طرح گھر میں بھی بھیگی بلی بنا رہے تو پھر ہو گیا نا جینا دو بھر ——

حماقت: (حسرت آمیز لہجہ میں) بھئی جواب نہیں ماتھر تمہارا، خوب چکر چلا رکھا ہے۔ واقعی ہم ہی گھاٹے میں رہے۔ اگر پہلی ہی ملاقات میں تمہاری چترائی کا بھید معلوم ہو گیا ہوتا تو ہم بھی آج کم از کم گھر میں ہی خود کو بڑے صاحب تصور کرتے۔

ماتھر: کوئی بات نہیں میاں! اب بھی کچھ نہیں بگڑا، جہاں جاگے ہو وہیں اپنا سویرا سمجھو۔

حماقت: بالکل سمجھوں گا بھی۔ جواب نہیں تمہاری چترائی کا مسٹر چترپرشاد ماتھر (ہنسی)

۳

مقام: گوشۂ حماقت — وقت: دفتر سے واپسی کا

حماقت: (گھر میں داخل ہوتے ہی)

ہم نہیں تیر سے تلوار سے ڈرنے والے ؛ قتل کرنا ہے تو اک ترچھی نظر کافی ہے

میں نے کہا۔

بیگم: کیا ہے؟ گھر میں قدم رکھتے ہی نام لے ڈالا فاتحہ میں (پھر حیرت سے) ارے یہ کیا! آج تو تمہارے تیور ہی نرالے ہیں۔ ہاتھ میں یہ جھولتا پھولوں کا ہار مٹھائی کا یہ ڈبہ بات کیا ہے؟

حماقت: بات! بیگم بات مت کہیے، دھماکہ کہیے، زلزلہ کہیے۔ جو خبر اب ہم تمہیں سنانے جا رہے ہیں وہ اتنی ہی اہم ہے کہ بس آکاش وانی کے پنّرنگی کاریہ کرم سے براڈکاسٹ کروا لیجیے

بیگم: افوہ! اب ختم بھی کرو اتاولے پن اور سیدھے سیدھے اصل بات بتاؤ۔

حماقت: ہم کہتے تھیں نا دفتر والے ہماری اور ہمارے کام کی قدر نہیں کرتے اور ہمارا حال گھر کی طرح دفتر میں بھی بھیگی بلی کا سا ہے۔ تو اے گھر کی شیرنی! ذرا غور سے دیکھیے پھولوں کے اس موٹے تازے ہار کو اور اس بھاری بھرکم مٹھائی کے ڈبے کو۔ یہ اس بات کا کھلم کھلا ثبوت ہے کہ آپ کے اس حقیر فقیر، پر تقصیر شوہر نامدار نے کام دار کرسی پر بیٹھ کر یعنی عارضی سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے وہ

وہ کام سرانجام دیئے ہیں کہ خوش ہو کر دفتر کے ساتھیوں نے ہمارے اعزاز میں ایک زوردار پارٹی دی اور اس طرح ہمیں نوازا کہ ہم حمایت بیگ حماقت سے حمایت نواز خاں ہو گئے ہیں

بیگم: تعجب ہے ..... مجھے تو یقین نہیں آتا۔ (اسی وقت ماتھر کی ہانک سنائی دیتی ہے)

ماتھر: اماں بیگ صاحب!

بیگم: ماتھر بھائی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

حماقت: ہاں وہی ہیں (بہ آواز بلند) اندر آجاؤ بھئی ماتھر

ماتھر: (اندر داخل ہوتے ہی) آداب عرض بھابی صاحبہ۔

بیگم: آداب ماتھر بھائی۔

ماتھر: اماں یار حماقت! تم بھی بس حرفوں کے بنے ہو، راستہ تمام آوازیں دیتا رہا اور ایک تم ہو کہ..... (پھر حیرت سے پھولوں کے ہار اور مٹھائی کے ڈبے پر نظر پڑتے ہی) ارے واہ میاں مٹھائی کا ڈبہ، پھولوں کا یہ ہار!! اب سمجھا، تو اسی لیے تم پھول والے کی دکان کی طرف دوڑے تھے۔

بیگم: پھول والے کی دکان!!!

حماقت: (گڑبڑا کر) ما..... ما..... ما..... ماتھر

بیگم: (طنز سے) ہوں..... تو اب سمجھی میں خواہ مخواہ ہی رعب جھاڑا جا رہا ہے جب سے.....

ماتھر: رعب ـــــ! بھئی بات کیا ہے میاں، ہم نے تو سمجھا تھا کہ آج پھول اور مٹھائی گھر جا رہی ہے، شادی کی سالگرہ والی گرہ ہوگی۔ آج تو بھابی ایک دم نرم ہوں گی لیکن یہ تو آج معمول سے کچھ زیادہ ہی گرم نظر آرہی ہیں۔

بیگم: (جلے بھنے لہجے میں) آپ نہیں جانتے ماتھر بھائی، انھوں نے خواہ مخواہ کا رعب جھاڑنے کی خاطر بیس پچیس روپلوں پر پانی پھیر دیا۔ کس شان سے فرما رہے تھے کہ دفتر کے ساتھیوں نے انکے اعزاز میں پارٹی دی ہے یعنی سپرنٹنڈنٹ بننے کا، یہ ہے تمہاری پارٹی

ماتھر: (حیرت سے) اماں بات کیا ہے، کچھ تو بتاؤ

حماقت: (روہانسے لہجے میں) بات یہ ہے میاں کہ ہم نے بھی تمہاری طرح، تمہارے ہی بل بوتے پر چیڑاسی کا چکر چلانا چاہا لیکن اپنا چکر تمہارے کا رن چلنے سے پہلے ہی الٹ گیا۔

(ماتھر اور بیگم حماقت کی مشترکہ ہنسی)

آج ہے سو کل نہیں!

ایک اندیشہ
ایک ڈرامہ

کردار :

- سرکش طالب علم
- پرنسپل صاحب
- پروفیسر ڈاکٹر چند دُور اندیش

- مقام : وہ گھاٹ جہاں شیر گیدڑ اور گیدڑ، شیر نظر آتے ہیں
- وقت : بہت بُرا
- زمانہ : آخری

سلیم: (کلاس روم میں داخل ہوتے ہوئے) ہائے ایوری بوڈی Hai every body

دو چار آوازیں: (ایک ساتھ) ہائے سلیم ڈارلنگ

سلیم: کیا بات ہے؟ آج تھیٹر رنگ برنگے Face cuts سے ہاؤس فل نظر آتا ہے!

آنند: تمہیں معلوم نہیں، ایک موبائیل ایجوکیشنل ڈیلی گیٹ Mobile Educational deligate اپنے کالج کے ایجوکیشنل اسٹنڈرڈ کا امتحان لینے آیا ہوا ہے۔

سلیم: تب ہی کالج کی ساری کریم ایک ہی جگہ نظر آرہی ہے۔

انیل: جی ہاں!! اور اس کریم کا کرشمہ بے چارے ایجوکیشنل ڈیلی گیٹ کے ممبروں پر اس وقت کھلے گا جب (کلاس روم میں موجود لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس کریم کی زد میں آکر تمام بے چارے آئس کریم بن چکے ہوں گے۔

دو چار لڑکیاں: (غصہ سے) نان سینس، سلی، ایڈیٹ۔

انیل: (گردن خم کرکے) نوازش، شکریہ، دھنیہ واد، مہربانی۔

آنند: (بات بدلتے ہوئے) سنا یار سلیم، کل کی فلم کیسی رہی؟

سلیم: ایک دم دھانسو، نام سن کر ہی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ "ایک قبر میں دو مردے"

بے دھڑک: ارے باپ رے!! کیا کفن پھاڑ ٹائٹل ہے۔ سن کر ہی دل کی دھڑکن تیز ہوگئی

انیل: ابے تو تو بے دھڑک ہے، پھر تیرا دل کیوں دھڑکنے لگا۔؟

سلیم: اما یار یہ تو صرف تخلص کی حد تک بے دھڑک ہے ورنہ یہ تو بڑا ہی ڈرپوک قسم کا چوپایہ ہے (ہنسی)

بے دھڑک: (غصہ سے) چوپایہ!!! یعنی کہ میں.....چو.....چو.....پایہ.....یعنی کہ...

سلیم: دیکھا، دھڑکنے کے بجائے بدکنے لگا۔

(اسی پل سردار مکھن سنگھ داخل ہوتا ہے)

مکھن سنگھ: ست سری اکال بادشاہو۔

سلیم: آؤ بادشاہو، کیسی چل رہی ہیں ڈرامے کی تیاریاں؟

مکھن سنگھ: ایک دم فرسٹ کلاس بادشاہو، کہو تو نمونہ پیش کردوں۔

مکھن سنگھ : اشتہارات دی پیروڈی ملاحظہ فرماؤ بادشاہو۔

......اف! درد سے سر پھٹا جا رہا ہے، کیا کروں؟

"ٹا ٹا دے جوتے سے سر کی چمپی کیجیے۔"

(ٹن، ٹن، ٹن)

ملی جلی ہنسی : ہی ہی ہی...... ہا ہا ہا......

مکھن سنگھ : چوکھٹا کیوں سیل بند ہے؟ دانت پیلے ہیں یا پائیریا کی شکایت ہے؟ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہو، کتا چھاپ شو پالش استعمال کیجیے۔ رات میں سونے کے بعد، سویرے اٹھنے سے پہلے

بلیک، اور براؤن دونوں رنگوں میں شہر دے ہر بھڑ بھونجے کے ہاں ملتی ہے۔

میوزک : (ٹن ٹن ٹن)

ملی جلی ہنسی : ہی ہی ہی...... کھی کھی کھی...... ہو ہو ہو......

مکھن سنگھ : کیا آپ کے بال بہت گھنے ہیں، ماتھا بہت چھوٹا ہے، بینائی ضرورت سے زیادہ تیز ہے؟ گھبرائیے مت، جھنڈو لال اینڈ کمپنی کے بال صفا کنگھے اور آنکھ پھوڑ سرمہ استعمال کیجیے۔

میوزک : (ٹن ٹن ٹن)

ملی جلی ہنسی : ہا ہا ہا...... ہو ہو ہو...... ہی ہی ہی...... یا ہو

(ایک نوجوان دوڑتا ہوا کلاس روم میں داخل ہوتا ہے)

نوجوان : خبردار، ہوشیار، نگاہ روبرو، عالم پناہ گرگٹ مغزاں و عالی جاہ جاہلان، قبلہ پرنسپل صاحب ایک عدد فاختہ نبے دم کے ساتھ دم بھر میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔

(تالیاں اور سیٹیاں)

(پرنسپل اور بیرونی ملک سے آئے ہوئے وفد کے سربراہ کلاس روم میں داخل ہوتے ہیں)

پرنسپل : خاموش بوائز، گرلز۔ شانتی، شانتی۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، ہمارے یہاں "ودوانوں" کا ایک دل (وفد) اپنی شبھ یاترا" (دورۂ خیرسگالی) پہ بانی دی دے آیا ہوا ہے۔ یہ دل کے بانی دی وے ہیڈ (Head) ہیں۔ دنیا کے مشہور ودوان "مورخ اور اردو ساہتیہ کے مانے ہوئے اسکالر، ڈاکٹر ح، غ، د، ودوانند پیش۔

سلیم: پرنسپل صاحب اگر مسٹر چغد... میرا مطلب ہے ڈاکٹر دور اندیش اس دل یعنی
وِنڈ کے ہیڈ ہیں تو پھر بائی دی وے اس دل کی دُم میرا مطلب ہے ٹیل (گلنجگا) کہاں ہے؟

(ہنسی کا شور)

پرنسپل: شانت..... بائی دی وے۔ شانت ہو جایئے۔

(اسی ہر ملونگ میں مس مالتی کی غیر اضطراری چیخ ابھرتی ہے)

پرنسپل: کیا ہوا؟ بائی دی وے۔ یہ کس کی چیخ تھی؟

مس مالتی: (شکایتی لہجہ میں) سر.... کسی نے پیچھے سے میری چوٹی اس زور سے کھینچی کہ چیخ نکل گئی۔

پرنسپل: (غصے سے) جس نے بھی بائی دی وے یہ اوچھی حرکت کی ہے، کھڑا ہو جائے فوراً۔

(اگلے ہی پل انیل کمار کھڑا ہو جاتا ہے)

پرنسپل: ہوں.... تو مسٹر انیل یہ حرکت بائی دی وے تمہاری تھی۔۔۔ اس گستاخی کی سزا
جانتے ہو۔؟

انیل: (حیرت سے) سزا.... بائی دی وے میں کچھ سمجھا نہیں سر.... آخر میرا قصور!!

پرنسپل: (غصّے سے) قصور پوچھتے ہو۔ کیا تم نے بائی دی وے، مس مالتی کی چوٹی نہیں کھینچی؟

انیل: کھینچی ہے سر۔ ضرور کھینچی ہے۔ مگر یہ تو پوچھیئے کہ کیوں کھینچی۔؟

پرنسپل: کیا مطلب ہے بائی دی وے تمہارا؟

انیل: مطلب صاف ہے سر۔ اصلی اور نقلی میں تمیز کرنے کے لیے میں نے بائی دی وے یہ حرکت
کی ہے۔

پرنسپل: میں کچھ سمجھا نہیں بائی دی وے۔

انیل: میں دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مس مالتی کے بال اصلی ہیں یا وہ اپنے بالوں میں نقلی بالوں
کی چوٹی استعمال کرتی ہیں۔ قصّہ یہ ہے سر کل سلیم سے بائی دی وے میری شرط لگ گئی۔ سلیم
کا خیال تھا کہ مس مالتی کے بال گھنے، چمکیلے، خوبصورت دراز اور اوریجنل ہیں جبکہ مجھے بائی
دی وے اس سے اختلاف تھا۔

سلیم: (مداخلت کرتے ہوئے) لیکن پیارے میرا ہی خیال درست نکلا۔ کہو مانتے ہو نا استاد

انیل: تم استاد، تمہاری آئندہ سات پشتیں استاد (پھر مس مالتی سے)
مس مالتی آپ کے بال واقعی گھنے، دراز اور بائی دی وے خوبصورت ہیں۔

مالتی: (بڑی ادا سے) تھینک یو فور دِس کومپلیمنٹ مسٹر انیل

thank you for this Compliment Mr. Anil

پرنسپل: (جھلا کر) یہ کیا ناٹک ہو رہا ہے۔ مس مالتی ابھی بائی دی وے۔ مسٹر انیل نے تمہاری چوٹی کھینچی اور تم الٹا انہی کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

انیل: یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی سر۔ آپ عمر کی اس حد سے عرصہ پہلے بائی دی وے آگے جا چکے ہیں۔ میں آپ کی نظر میں مجرم ہو سکتا ہوں مگر مس مالتی کی نظر میں نہیں۔

پرنسپل: کیا مطلب ۔۔؟

انیل: مطلب یہ ہے کہ جرم کا انحصار بائی دی وے نیت پر ہوتا ہے۔ اور میری نیت بالکل صاف تھی۔ یعنی میں نے مس مالتی کی چوٹی شرارت سے نہیں بلکہ ایک مقصد کے تحت کھینچی تھی۔

اسٹوڈنٹس: (ایک آواز ہو کر) ہیر ایر۔ ہیر ایر۔ تھری چیرز فور انیل۔ ہپ ہپ ہرّا۔ ہپ ہپ ہرّا۔

پرنسپل: (جھلا کر) خاموش! بائی دی وے خاموش۔ اب ہمارے معزز مہمان پروفیسر ڈاکٹر دور اندیش آپ کو مخاطب کریں گے۔۔۔۔۔۔ یہ لیجیے شریمان حاضری رجسٹر۔ اس میں تمام اسٹوڈنٹس کے نام اور ان کے خاص سبجکٹ لکھے ہیں۔

ڈاکٹر چغل: (رجسٹر لیتے ہوئے) شکریہ پرنسپل صاحب۔۔۔۔ آج ہے سو کل نہیں۔

پیارے طالب علمو! ارتھات ودیارتھیو! میں اپنے وفد کے ساتھ دنیا کا دورہ کرتے ہوئے یہاں پہونچا ہوں۔ اس دورے کا مقصد دراصل یہ دیکھنا ہے کہ کس دیش کے ودھیارتھی بہت زیادہ سوجھ بوجھ والے ہیں۔

دوسرے یہ بھی دیکھنا ہے کہ آپ کے ہاں اُردو زبان کا چلن کس حد تک باقی ہے یعنی ابھی تک گھٹ گھٹ کر جی رہی ہے یا مرحومین کی فہرست میں شامل کر دی گئی ہے۔ جس اُردو کو آج آپ غیر ملکی زبان کی حیثیت سے پڑھ رہے ہیں وہ یہیں اسی

ملک میں آج ہے سو کل نہیں جمنی ہے پھولی پھلی ہے شاہی ایوانوں، دفتروں بازاروں، گلیاروں کوٹھوں، قحبہ خانوں میں سکہ رائج الوقت کی طرح شان سے چلی ہے، لیکن اس بدنصیب زبان کو آج ہے سو کل نہیں، بے قصور ملک بدر کر دیا گیا۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ آج اسے غیر ملکی زبان کی حیثیت ہی سے سہی یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے ۔۔۔۔

(اسی لمحہ ایک طالب علم دروازے پر نمودار ہوتا ہے)

طالب علم: کیا میں اندر آسکتا ہوں جناب۔

ڈاکٹر چغد: (حیرت سے) آپ اب تشریف لائے ہیں، آج ہے سو کل نہیں۔ ذرا گھڑی دیکھیے کیا وقت ہو رہا ہے۔

طالب علم: جی ساڑھے دس۔

ڈاکٹر چغد: کالج کب سے شروع ہوتا ہے۔

طالب علم: ساڑھے نو بجے سے

ڈاکٹر چغد: گویا آپ، آج ہے سو کل نہیں، پورا ایک گھنٹہ لیٹ ہیں۔

طالب علم: بٹ ایکسکیوز می سر But excuse me Sir میں لطیف ہوں"

ڈاکٹر چغد: لطیف ہو تو کیا ہوا۔

لطیف: غالباً آپ سمجھے نہیں جناب میرا نام لطیف ہے۔

ڈاکٹر چغد: پھر وہی لطیف۔ میں کہتا ہوں، آج ہے سو کل نہیں لطیف ہو یا شریف وقت کی پابندی سبھی کو کرنی چاہیے۔

سلیم: (مداخلت کرتے ہوئے) آپ سمجھے نہیں جناب عالی، یہ لطیف ہے، وقت کی ہر قید سے آزاد اسے لیٹ آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ڈاکٹر چغد: کیا مطلب؟

سلیم: مطلب یہ جناب کہ اگر لطیف بھی وقت کی پابندی کرنے لگے تو پھر لیٹ لطیف کون کہلائے گا۔

(ہنسی، قہقہے اور تالیوں کی گڑگڑاہٹ)

ڈاکٹر چغد: خاموش! ہاں تو سب سے پہلے آج ہے سو کل نہیں، تاریخ کا موضوع اٹھاتے ہیں جو کہ میرا بھی پسندیدہ سبجیکٹ ہے۔

لطیف: شوق سے اٹھائیے جناب.... یہ موضوع مجھے بھی بہت پسند ہے۔ بلکہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، اردو والے کو فارسی کیا —— ذرا آپ اپنی تاریخ پیدائش تو بتلائیے۔ پھر دیکھیے آج ہے سو کل نہیں، آپ کا اگلا پچھلا سارا کچا چھٹا نہ کھول کے رکھ دوں تو میرا اور اپنا دونوں کے نام بدل دیجیے گا....

ڈاکٹر چغد: (حیرت سے) تاریخ پیدائش؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر لطیف۔ میں بات کر رہا ہوں، آج ہے سو کل نہیں، تاریخ یعنی ہسٹری یعنی اتہاس کی۔

لطیف: اچھا وہ تاریخ۔ جغرافیہ کی پارٹنر بلکہ بیڈ پارٹنر Bed Partner

(ہنسی اور تالیاں)

ڈاکٹر چغد: کیا آپ بتا سکتے ہیں مسٹر لطیف، سکندر کو آج ہے سو کل نہیں، سکندر اعظم کیوں کہتے ہیں؟

لطیف: یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جناب۔ یہ بات تو سارا کالج جانتا ہے کہ پچھلے سال سکندر نے ٹیبل ٹینس چیمپین شپ، جیت کر یہ خطاب حاصل کیا ہے۔

ڈاکٹر چغد: (حیرت سے) سکندر اعظم اور "ٹیبل ٹینس"۔ یہ آپ، آج ہے سو کل نہیں، کس سکندر کی بات کر رہے ہیں؟

لطیف: وہی اپنا یار سکندر، جو اردو ادب میں بزبان انگریزی ایم اے کر رہا ہے۔

ڈاکٹر: (منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر) اردو ادب بزبان انگریزی! یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ خیر آپ تشریف رکھ سکتے ہیں مسٹر لطیف....

اچھا تو مس مالتی....

مس مالتی: آج ہے سو کل نہیں....

ڈاکٹر چغد: (حیرت سے) جی.... ی.... ی....

مس مالتی: حکم کیجیے جناب....

ڈاکٹر چغد: محترمہ کیا آپ ان شہنشاہوں کے نام گنوا سکتی ہیں جن کو تاریخ میں، آج سے سو کل نہیں، اعظم کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مس مالتی: کیوں نہیں جناب، سنئے، اشوک اعظم، سکندر اعظم، اکبر اعظم، بحر اعظم، برِ اعظم اور لاسٹ بٹ ناٹ لیسٹ (Last but not least) کے آصف کا مغل اعظم۔

ڈاکٹر چغد: بہت خوب، آپ کے اس بھرپور جواب سے آج سے سو کل نہیں، یہی ناچیز معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ شکریہ۔ لگے ہاتھوں نور جہاں کے بارے میں کچھ تازہ اطلاع بہم پہونچا دیجیے۔

مس مالتی: اس کا تو نام بھی مت لیجیے جناب۔ کل ہی اس سے جھگڑا ہوا ہے میرا...

ڈاکٹر چغد: (حیرت سے) جھگڑا! اور نور جہاں سے...

مس مالتی: جی ہاں جناب.... بڑی ڈینگ باز اور "پھیکو" ہے وہ اس دن اپنی ساڑی کے بارے میں کہہ رہی تھی کہ امپورٹیڈ ہے، اس کے "ڈیڈی" نے ہونولولو سے بھیجی ہے۔ پورے سات سو کی ہے، جھوٹی کہیں کی۔ میں نے آج ہی وہ ساڑی "گھسیٹا رام" کے شوکیس میں ٹنگی دیکھی ہے.... اور اس کی قیمت جانتے ہیں آپ کتنی ہے؟ صرف ستر روپے....

ڈاکٹر چغد: بہت خوب اب لگے ہاتھوں آج سے سو کل نہیں لارڈ وارن ہیسٹنگز کے بارے میں کچھ اور معلومات افزا انکشافات سے نواز دیجیے۔

مس مالتی: جناب ہمارے ایسے نصیب کہاں، اتنے بڑے بڑے لوگ بھلا ہمارے شہر کیوں آنے لگے۔ اور اگر کبھی آئے بھی ہوں تو ہم سے بھلا کیوں ملتے۔ میری تو کبھی ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ پھر بھلا میں ان کے بارے میں کیا بتا سکتی ہوں۔ اور پھر مجھے مورخوں کی طرح گستاخی معاف جھوٹے قصے گڑھنے بھی نہیں آتے۔

ڈاکٹر چغد: نہایت معقول جواب ہے۔ اچھا یہ بتایئے آج سے سو کل نہیں پانی پت کی پہلی جنگ کہاں ہوئی تھی۔

مس مالتی: بائی گاڈ، مجھے پتہ نہیں جناب .... اور پھر میں نے پچھلے ہفتہ بھر سے اخبار ہی نہیں دیکھا....

ڈاکٹر چغد: آپ کی صاف گوئی قابلِ داد بھی ہے اور قابلِ دید بھی۔ آپ سے مزید کچھ پوچھنا فضول ہے کیوں کہ آج سے سو کل نہیں۔ آپ نے ہفتے بھر سے اخبار ہی نہیں دیکھا....

مس مالتی: تھینک یو سر...

ڈاکٹر چغد: مسٹر مکھن سنگھ...

مکھن سنگھ: (کڑک دار لہجے میں) بولو بادشاہو —!

ڈاکٹر چغد: کیا آپ بتا سکتے ہیں آج سے سو کل نہیں۔ ملا دو پیازہ کون تھا؟

مکھن سنگھ: بھئی نہیں بادشاہو سے کہیے ہے۔ پیاز کا بہت بڑا بیوپاری اور شہر، ملا شہر بھر کے لوگ اپنی اور پرائی ساری مرغیاں اسی سے ذبح کرواتے ہیں۔

ڈاکٹر چغد: بہت خوب، آج سے سو کل نہیں معلوم ہوا شاعری کی طرح آج تاریخ بھی فی البدیہہ موزوں کی جاتی ہے۔ اب آیئے پٹری بدلیں یعنی تاریخ کو ہری جھنڈی دکھا کر اردو ادب کی تاریخ کو لال جھنڈی دکھائیں۔

سب سے پہلے مس پھلجھڑی بیگم آپ آج سے سو کل نہیں "مثنوی زہرِ عشق" اور طلسم ہوش ربا کے مصنفوں کے نام بتایئے —؟

مس پھلجھڑی: میرے خیال میں جناب یہ دونوں شاہکار ایک ہی مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں اور وہ عظیم مصنف ہے ابنِ صفی —!

ڈاکٹر چغد: اب لگے ہاتھوں "فسانۂ آزاد" کے مصنف کا نام اور آج سے سو کل نہیں سنِ وفات بتایئے —؟

مس پھلجھڑی: افواہ ہے کہ فسانۂ آزاد کا خالق سید عبداللہ مہدی نام کا ایک گمنام ادیب تھا۔

تھا جس کے سن پیدائش کے تعلق سے ادب کے جراحوں، عرف نقادوں میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس گمنام ادیب کا صحیح سن پیدائش ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء کے درمیان ہے جبکہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ یہ شخص ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ میں بھی اس سے متفق ہوں۔ ایسی صورت میں جبکہ سن پیدائش ہی متنازعہ بنا ہوا ہو سن وفات کے بارے میں کچھ کہنا آبیل مجھے مار کے مصداق ہوگا۔

ڈاکٹر چغد: بہت خوب۔ صاحب زادی صاحبہ! اس سے پہلے کہ آج ہے سو کل نہیں، ادب کا یہ بیل آپ پر حملہ آور ہو "فسانۂ آزاد" کے اصلی اور نقلی دونوں مصنفین کے حق میں دعائے مغفرت فرماتے ہوئے تشریف رکھیے۔

مس پھلجھڑی: شکریہ جناب عالی۔

ڈاکٹر چغد: اگلا نام ہے مس ترنم۔ بہت خوب شاعری اور ترنم کا چونکہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اس لیے آج ہے سو کل نہیں آپ اس شاعر کا نام بتایئے جس کا شعر ہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مس ترنم: جناب والا، واضح ہو کہ یہ شعر کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں بلکہ یہ تو کل چار عدد شاعروں کی ملی جلی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ مصرعہ اولیٰ علامہ خنجر حیدرآبادی اور حضرت امیر مینائی کے مشترکہ مشق سخن کا مظہر ہے اور مصرع ثانی حضرت درد دہلوی اور مولانا جگر مرادآبادی کے اشتراک کا نتیجہ ہے۔

چغد: بہت خوب۔ آپ کی اس تشریح نے آج ہے سو کل نہیں دماغ کی ساری گرد جھاڑ دی۔ آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔ لگے ہاتھوں اتنا اور بتا دیجیے کہ یہ شعر کتنے شاعروں کی ملی جلی کوشش کا نتیجہ ہے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

مس ترنم: اس شعر کے بارے میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ یہ غالب کا ہے جو انھوں نے غدر

کے زمانے میں کہا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر اردو کی آخری نسل کے ملکی شاعر حفیظ آتش امروہوی کا ہے جسے غالب کے انتہا پسند طرفداروں اور غالب شناسی کے دعویداروں نے غالب کے نام سے منسوب کر کے مشہور کر دیا ہے۔

ڈاکٹر چغد: آپ کے اس انکشاف کو تحریری شکل میں کسی ادبی میوزیم میں آج ہے سوکل نہیں محفوظ کر لینا چاہیے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آوے۔

مس ترنم: اس ترنّم نوازی کا شکریہ جناب ....

ڈاکٹر چغد: شکر گزار تو میں ہوں آپ کا مس ترنم۔ تشریف رکھئے۔

ڈاکٹر چغد: اب نمبر ہے آج ہے سوکل نہیں مس افسردہ خانم کا۔ اوہو آپ تو اسم بامسمیٰ ہیں۔ سراپا تصویرِ غم، لہٰذا آپ مصورِ غم علامہ راشد الخیری کے بارے میں کچھ فرمائیے ——!

افسردہ خانم: علامہ راشد الخیری لکھنؤ کی ایک مشہور انجمن کا نام تھا جس کی تحویل میں کئی یتیم خانے تھے بلکہ اس کی ایک عدد شاخ آج بھی شہر بمبئی میں انجمن مفید الیتمیٰ کے نام سے موجود ہے۔

ڈاکٹر چغد: کیا کیا انقلابات ہیں زمانے کے آج ہے سوکل نہیں تشریف رکھیے محترمہ۔

افسردہ خانم: شکریہ ——!

ڈاکٹر چغد: اردو کی آخری نسل کے ادیبوں اور شاعروں نے یوں تو خاصا ادبی سرمایہ چھوڑا ہے لیکن آج ہے سوکل نہیں "سائیڈ سے چلیے" قطع کلام" اور چھیڑ چھاڑ" ایسے مجموعے ہیں جن کی "مردانے" سے زیادہ "زنانے" میں دھوم ہے یعنی باہر کے ملکوں میں اس کے بہت چرچے ہیں، مس مسرت کیا آپ اس کی وجہ بتا سکتی ہیں —؟

مس مسرت: میری نظر میں اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے ان کے ٹائیٹل۔ بالکل ملا کی داڑھی کی طرح یہ بھی دھوکے کی ٹٹی ہیں —— "سائیڈ سے چلیے"۔

خریدنے والا اسے ٹرانک کے قواعد کی کوئی کتاب سمجھ کر پڑھنا شروع کرتا ہے لیکن پڑھنے کے بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ الّو بن گیا یہی حال قطع کلام، اور "چھیڑ چھاڑ" کا ہے۔ بادی النظر میں دھوکہ ہوتا ہے کہ قطع کلام، ضرور تکیوں کے منتخب اشعار کا مجموعہ ہوگا اور "چھیڑ چھاڑ" راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑنے کے نت نئے طریقوں سے مزین جدید گائیڈ۔ لیکن سخت مایوسی اس وقت ہوتی ہے جب چڑیاں سارا کھیت چگ چکی ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر چغد: بہت بہت شکریہ مس مسرت آپ کی ژرف نگاہی کا آج سے سو کل نہیں قائل ہو جانا پڑا۔ اس مہارت سے ادب کو کھنگالا ہے آپ نے کہ کورے کاغذ کی طرح صاف اور اُجلا ہو گیا۔

مس مسرت: شکریہ جناب عالی۔

ڈاکٹر چغد: اب جو نام آتا ہے آج سے کل نہیں مسٹر بے دھڑک۔ آپ غالباً شاعر بھی ہیں۔

بے دھڑک: غالباً نہیں جناب یقیناً شاعر ہوں اور خاندانی بلکہ پشتینی شاعر ہوں۔

سلیم: (بے جا مداخلت کرتے ہوئے) لیکن اس کے باوجود میرا دعویٰ ہے جناب مسٹر بے دھڑک ادبی شعر اور زو Zoo کے شیر میں تمیز نہیں کر سکتے۔

بے دھڑک: (غصے سے) میں کہتا ہوں سلیم اگر تم نے دوبارہ مداخلت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ تم بھلا کیا جانو شاعری کس چڑیا کا نام ہے۔

سلیم: (طنز سے) اسی چڑیا کا جس کا جناب نے اپنے سر میں گھونسلا تو بنا رکھا ہے۔ لیکن چڑیا پھنسی نہیں ابھی تک۔

(ہنسی کا شور)

بے دھڑک: (گلا صاف کرتے ہوئے) سنئے جناب عالی نمونتاً ایک شعر پیش ہے

ڈاکٹر چغد: ارشاد

سلیم: (پھر مداخلت کرتے ہوئے)

شاعری کرنے کو اب یہ چھچھورے پنچ رہ گئے :: اچھے اچھے مر گئے الّو کے پٹھے رہ گئے

(قہقہوں کا شور اور تالیوں کا زور)

بے دھڑک: (غصے سے بے قابو ہو کر) میں کہتا ہوں سلیم کے بچے میں تیرا سر توڑ دوں گا

سلیم: (ڈھٹائی سے) شوق سے بندہ پرور ۔۔۔

دل یہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے؟

جاں یہ کس کی ہے مہربان یہ سر کس کا ہے؟

تمہارا ہی تو ہے، شوق سے توڑ پھوڑ لو لیکن خیال رہے ڈاکٹر کا بل تم ہی چکاؤ گے

(ہنسی کا طوفان)

ڈاکٹر چغد: مسٹر سلیم! آپ خود کو بڑا تیس مار خاں سمجھتے ہیں۔ ذرا بتایئے تو آج ہے سو کل نہیں، مرزا غالب کون تھے؟

سلیم: (طنزیہ ہنسی کے ساتھ) ۔۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

ڈاکٹر چغد: کیا مطلب

سلیم: مطلب یہ حضور کہ غالب خاکسار کی عرفیت بھی ہے اور تخلص بھی۔

ڈاکٹر: یعنی ۔۔۔ ی ۔۔۔ ی ۔۔۔؟

سلیم: یعنی خادم ہی کو نجم الدولہ، دبیر الملک، مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ ڈبلنگ اسد و غالب عرف مرزا نوشہ ثانی کہتے ہیں۔

(اسی لمحہ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجتی ہے)

ڈاکٹر چغد: (پرنسپل سے) گھنٹی بج گئی قبلہ ۔۔۔ چلیے آج ہے سو کل نہیں ۔۔۔

سلیم: (راستہ روک کر) کہاں چلے قبلہ.... گھنٹی بج گئی، آپ کا گھنٹہ ختم ہوگیا، اب ہمارا گھنٹہ شروع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر چغد: کیا مطلب

پرنسپل: (روہانسے لہجے میں) مطلب یہ شریمان جی اب اسٹوڈنٹس بائی دی وے ہماری کلاس لیں گے۔

ڈاکٹر: یعنی کہ آج سے سو کل نہیں۔

پرنسپل: بالکل، جو سلوک آپ نے ان کے ساتھ کیا، اب بائی دی وے وہی سلوک یہ ہمارے ساتھ کریں گے۔

ڈاکٹر چغد: مگر — مگر کیوں؟

پرنسپل: وہ اس لیے کہ یہ دنیا ایک عبرت گاہ ہے، یہاں اس ہاتھ دے اور بائی دی وے اس ہاتھ لے۔

ڈاکٹر چغد: اف، میرا سر... میرا سر چکرا رہا ہے۔ میرا سر آج ہے سو... میرا سر... کل.... کل

پرنسپل: (گھبرائے ہوئے لہجے میں) ڈاکٹر صاحب! چغد صاحب! ڈاکٹر صاحب! ارے ارے بے ہوش ہو گئے.... (پھر رجسٹر کا پنکھا بنا کر جھلتے ہوئے) ہوش میں آئیے چغد صاحب۔ چغد صاحب!

(لڑکوں کا شور)

(اچانک اسٹیج کی روشنیاں غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر کسی وزنی شے کے گرنے کی زوردار آواز سنائی دیتی ہے، اسی کے ساتھ اسٹیج دوبارہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کلاس روم کی جگہ "بیڈ روم" نظر آتا ہے۔ بستر پر لیٹی ہوئی ایک ادھیڑ عمر عورت ہڑبڑا کر جاگ اٹھتی ہے۔ پلنگ کے پاس فرش پر ایک شخص اس طرح لیٹا نظر آتا ہے جیسے ابھی ابھی پلنگ پر سے گرا ہو)

عورت: (گھبراہٹ میں) یا خدا یہ کیسی آواز سی ہیں کوئی چور اُچکا نہ ہو۔ چور.... چ...
چ.....چ ر.....ر......

(چور چور کی گردان پر فرش پر لیٹا شخص ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے)
(یہ شخص دراصل ڈاکٹر چیغل ہے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس)

ڈاکٹر چیغل: (گھبرا کر) چ — چ — چ — ور — چور کدھر ہے چور —
اور — اور میں یہاں فرش پر کیسے....

عورت: اوہ! خدا سمجھے یہ آپ کے بستر سے گرنے کی آواز تھی پروفیسر غائب دماغ صاحب

ڈاکٹر چیغل: مگر... مگر بیگم میں فرش پر آج ہے سوکل نہیں کیسے پہنچا...؟

عورت: ضرور تم نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہوگا۔ تین مہینے کی لمبی چھٹیوں کے بعد کل سے کالج کھل رہا ہے اور تمہیں خدا سمجھے آج ہی سے ڈراونے خواب آنے شروع ہو گئے

ڈاکٹر چیغل: ڈراونے خواب — ہاں وہ ایک بھیانک خواب ہی تو تھا۔ لاحول و لا قوۃ ۔ آج ہے سوکل نہیں ۔